درس حدیث

محمد اظہر مدنی

کلمۂ توحید کا حق ادا کریں

عن عثمان رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : من مات وهو یعلم أنه لا اله الا الله دخل الجنة (رواہ مسلم:٦)

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کی موت اس حالت میں آئی کہ اسے یقین تھا کہ اس کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

تشریح: کلمۂ طیبہ دین اسلام کی بنیاد ہے اور سب سے اہم اور عظیم رکن ہے۔ یہی عروۃ الوثقیٰ ہے اور کلمة التقویٰ ہے اور اس کلمہ کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کے شعبوں میں سب سے افضل اور اعلیٰ قرار دیا ہے اور یہی کلمہ جہنم سے نجات پانے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اور اسی کلمہ کے اقرار کرنے والے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے والے کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جائیں گے اور اسی کے ذریعہ نبی پاک کی شفاعت اور حوض کوثر کا پانی نصیب ہوگا۔ چنانچہ اس کلمۂ طیبہ کو سمجھنے، پڑھنے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی جدوجہد کرنی چاہیے اور اس کی توفیق کی دعا بھی کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (سورہ محمد:١٩) ''سو (اے نبی!) آپ یقین کرلیں (جان لیں) کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔'' لہٰذا کلمۂ توحید کا سب سے پہلا حق یہ ہے کہ اس کے معانی ومفاہیم کو اچھی طرح سمجھیں اور علم وبصیرت کے ساتھ اس کے تقاضوں کو پورا کریں۔ مذکورہ بالا حدیث میں اسی بات کا ذکر ہے کہ جس کی موت اس حالت میں آئی کہ وہ یہ جانتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے تو وہ جنتی ہوگا۔

دوسرا حق: لاالہ الا اللہ کا اقرار کرنے والے کا یہ ایمان وعقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود ومسجود نہیں ہے۔ وہی حقیقی الہ ہے اور تمام صفات الوہیت کا حق دار بھی وہی ہے اور اس میں ذرہ برابر بھی شک نہ ہو صحیح مسلم کی ایک روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

أشهد أن لا اله الا الله وأني رسول الله لا یلقی الله بهما عبد غیر شاک فیحجب عن الجنة (صحیح مسلم) کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ لہٰذا جو بندہ ان دو گواہیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملے گا۔ اس حالت میں کہ اسے ان کے بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں تو ایسا شخص جنت میں جانے سے روکا نہیں جائے گا۔

تیسرا حق یہ ہے کہ یہ گواہی اور اقرار نامہ اخلاص پر مبنی ہو اور شرک کی تمام غلاظتوں کے ساتھ ساتھ ریاکاری سے بھی پاک وصاف ہو۔

چوتھا حق یہ ہے کہ اقرار صدق دل سے ہو اس میں کذب کا دور دور تک کوئی شائبہ نہ ہو۔ رسول گرامیؐ کا فرمان ہے: **ما من احد یشهد ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله صدقا من قلبه الا حرمه الله علی النار.** (صحیح بخاری ومسلم)

اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ گواہی سچے دل سے ہو اگر اس میں نفاق ہے تو وہ اللہ کے حضور قابل قبول نہیں ہے۔

پانچویں شرط ہے محبت کی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ (سورہ بقرہ:١٦٥) ''بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے شریک اوروں کو ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے ہونی چاہیے اور ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں۔

کلمہ طیبہ سے ہر درجہ لگاؤ اور محبت ہو اور یہ محبت تمام چیزوں پر غالب ہو یہاں تک کہ اپنی جان سے زیادہ محبوب ہو۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ کلمۂ طیبہ کے تئیں تمام قسم کی فرمانبرداری وتابعداری ہو اور ظاہری وباطنی ہر اعتبار سے اپنے آپ کو تسلیم خم کردیں۔

ساتویں شرط یہ ہے کہ کلمۂ طیبہ کو اس کے تمام تر شروط کو فراخ دلی سے قبول کریں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ کلمۂ طیبہ کو اس کی تمام شروط کے ساتھ سمجھنے اور اس کا مکمل حق ادا کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین **وصلی الله علی نبینا محمد**

☆☆☆

مدیر مسئول

اصغر علی امام مہدی سلفی

مدیر

عبدالقدوس اطہر نقوی

نائب مدیر: مولانا خورشید عالم مدنی　مدیر اعزازی: مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی

مجلس ادارت

مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی　مولانا شہاب الدین مدنی　ڈاکٹر سعید احمد مدنی
مولانا اسعد اعظمی　مولانا طہ سعید خالد مدنی　مولانا انصار زبیر محمدی

اس شمارے میں

درس حدیث	۲
اداریہ	۳
اللہ کی تسبیح بیان کریں	۷
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادتیں	۹
حرص ولالچ کا مقابلہ ثابت قدمی سے	۱۱
مولانا ابوالکلام آزاد اور فکر ولی اللٰہی	۱۳
سرسید احمد خاں کی قومی وملی خدمات	۱۹
ایک محسن مگر مظلوم اسلامی مملکت	۲۰
ڈاکٹر عبدالعلی ازہریؒ - ایک تعارف	۲۳
مرکزی جمعیت کی پریس ریلیز	۲۹
جماعتی خبریں	۳۰
اشتہار اہل حدیث منزل	۳۱
اپیل	۳۲

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

بدلِ اشتراک

سالانہ ―――― ۱۵۰/روپے
فی شمارہ ―――― ۷/روپے
پاکستان ―――― ۵۰۰/روپے

بلاد عربیہ ودیگر ممالک سے ۳۵ ڈالر یا اس کے مساوی

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

اہل حدیث منزل ۴۱۱۶، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی-۱۱۰۰۰۶
ویب سائٹ www.ahlehadees.org
ترجمان ای میل jaridahtarjuman@gmail.com
جمعیت ای میل jamiatahlehadeeshind@hotmail.com

اداریہ

ابو مصلح الکریمی

احساسِ زیاں بہتر

مگر ذمہ دار کون؟

یہ سوال ہر شخص کر سکتا ہے کہ ہم نے آزادی وطن عزیز کے بعد کیا کھویا کیا پایا؟ - یہ حق جس طرح سب کو پہنچتا ہے اسی طرح یہ فرض بھی سب کا بنتا ہے کہ وہ اپنے آپ سے پہلے سوال کرے کہ اس کھونے اور پانے کے عمل میں اس نے کیا کردار ادا کیا اور کون کون سی کوتاہیاں اس سے بحیثیت ایک شہری، ایک انسان اور ایک مسلمان سرزد ہوئیں اور کون کون سے کارنامے اور فریضے اس نے فرد و جماعت، ملک وملت اور انسانیت کے تئیں انجام دیے اور ادا کیے۔ اس تحلیل و تجزیہ کی لیبارٹی میں اگر سب سے پہلے ایک انسان خصوصا مسلمان اپنے قول و قرار اور فکر وعمل کا جائزہ لے اور اس کی روشنی میں اپنا محاسبہ منصفانہ وعادلانہ طور پر اسی اخلاص اور ہمدردی کے ساتھ اور فرض منصبی سمجھ کر کرے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے تو اس کے مثبت اور ثمر آور نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ حالات کے جبر نے بہت دیر سے اس کے اندر کھونے اور پانے کی فکر پیدا کی ہے۔ ان ۷۵ سالوں میں ہم کہاں سے چلے تھے، کہاں پہنچ گئے اور ہمیں کہاں ہونا چاہئے تھا؟ - ایک بہترین شہری ہونے کی حیثیت سے، ایک ذمہ دار ہونے کے ناطے، ایک اچھے مسلمان ہونے کے ناطے، ایک انسان ہونے کے ناطے، ایک معلّم و مدرس ہونے کی حیثیت سے، ایک طالب علم اور شاگرد ہونے کی حیثیت سے، ایک باپ، گارجین اور سرپرست ہونے کی حیثیت سے، ایک آقا و مالک ہونے کی حیثیت سے، ایک ماتحت اور ملازم ہونے کی حیثیت سے، ایک چھوٹا ہونے کے اعتبار سے اور ایک بڑے کردار ادا کرنے کے سزاوار ہونے کے ناطے بحیثیت عالم دین ہم نے کیا رہبری کی اور کیا عملی وفکری سرمایہ فراہم کیا؟ قوم کی جہالت وسفاہت کو کتنا جھیلا اور برداشت کیا؟ ”قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِىْ يَعْلَمُوْنَ“ (یٰسین:۲۶، ”کہنے لگا کاش! میری قوم کو بھی علم ہو جاتا“) اور ”متحد ہو تو بدل ڈالو نظام گلشن، منتشر ہو تو مرو، شور مچاتے کیوں ہو؟“ کہنے کے بجائے ہم نے ”قَالَ رَبِّ اِنِّىْ دَعَوْتُ قَوْمِىْ لَيْلًا وَّنَهَارًا. فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِىْٓ اِلَّا فِرَارًا. وَاِنِّىْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ

فِیٓ اٰذَانِھِمۡ وَاسۡتَغۡشَوۡا ثِیَابَھُمۡ وَاَصَرُّوۡا وَاسۡتَكۡبَرُوا اسۡتِكۡبَارًا ''۔ (نوح:۵-۷، ''کہا اے میرے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو رات و دن تیری طرف بلایا۔مگر میرے بلانے سے اور زیادہ بھاگنے لگے۔ میں نے جب کبھی انہیں تیری بخشش کے لیے بلایا، انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں اور اپنے کپڑوں کو اوڑھ لیا اور اڑ گئے اور بڑا تکبر کیا۔'') کے بموجب کیا اپنا داعیانہ ومصلحانہ کردار ادا کیا؟۔آخر ہم نے اس انبیائی مشن کی تکمیل اور قوم وملت اور انسانیت کی نصح وخیر خواہی میں رات دن ایک کیوں نہ کر دیا۔عوام کی ہزار کج ادائیوں ، لاکھوں غفلتوں ، بے شمار ہٹ دھرمیوں، ان گنت مظالم اور بھیانک ستم کے مقابلے میں ان پر قابو پانے اور غلبہ وتسلط کا سنہرا موقع ہاتھ آجانے کے بعد بھی ان کو نیست ونابود کر دینے کے معجزاتی اور مافوق الفطرت قانون اور قوت کو استعمال ہونے سے روکنے کے لیے گڑگڑا کر ''**اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون** '' والے فریضہ وذمہ داری کو فراموش تو نہیں کر دیا؟ ہم عوام کالانعام بنے رہے یا پھر سمع وطاعت ، جانثاری وفداکاری اور فرماں برداری کا حقیقی جوہر وہنر کسی قدر آزمایا۔ایسا تو نہیں کہ غفلت وعصیان کے سارے ریکارڈ ہم نے توڑ دیئے۔بلکہ مجرم قوموں سے بھی بڑھ کر یہی نہیں کہ ہم نے عبدیت وعبودیت اور طاعت وتسلیم کی راہ فلاح چھوڑ کر موشگافیاں اور کٹ حجتیاں کرنے لگے، ''وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الۡخَآئِضِيۡنَ '' (المدثر:۴۵، ''اور ہم بحث کرنے والے (انکاریوں) کا ساتھ دے کر بحث مباحثہ میں مشغول رہا کرتے تھے۔'') اور کیڑے نکالنے والوں اور نت نئے فتنے دانستہ ونادانستہ کرتے رہنے والوں کی طرح طاق وچالاک بنے رہے اور اپنے قول وعمل سے فساد وبگاڑ اور سبوتاژ کی سنت تازہ کرنے لگے۔اور اس طرح ہم نے اپنے رہے سہے مثبت اعمال اور اطوار کو بھی بے وزن اور بیکار کر دیا۔اپنے اس انتہائی تخریبی، تنفیری اور شر انگیزی پر مبنی عمل وکردار پر تائب ونادم ہونے کے بجائے خود محتسب ومنصف، آمر وناہی اور حاکم مطلق العنان بن کر امت وملت، جماعت وجمعیت اور انسانیت وسماج میں ہو رہے دینی وملی، دعوتی واصلاحی، تحقیقی، سماجی ورفاہی اور ملکی وانسانی کاموں کو بھی بند کرنے کے مجرم بنتے رہے۔ فساد وبگاڑ اور تخریب وفتنہ کے ہر عمل کو اصلاح وصلح کا نام دیتے رہے اور شعوری ولاشعوری طور پر غرور نفس کا شکار ہو کر یا فخر ومباہات اور نام ونمود کے لیے مصلح وقائد بننے کے زعم اور لت ونشہ میں امانت میں خیانت، ابطال حق اور احقاق باطل کر گئے، یا کسی سازشی فرد اور ٹولے نے اس مقدس عمل کے نام پر خیانت وتزویر اور حقائق کو تبدیل کرنے کے لیے آمادہ کیا۔تدبیر بلکہ تلبیس ابلیس اور تدلیس تسویہ پر مجبور کر دیا۔آہ! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اپنی ایک بھول یا غلطی کو درست کرنے، اس پر نادم ہونے اور رفع دفع کرنے کے بجائے تم نے مزید بھیانک جرائم اور خیانت واکاذیب کا پشتارہ انتہائی چابک دستی سے چھوڑ دیا اور اس پر ندامت کے چار چار آنسو بہانے کے بجائے مال ودولت کے بیجا غرور اور فرعونیت کے نشے میں تم اس پشتارے کو پھیلا رہے ہو۔شیطان نے غرور نفس میں اس طرح مبتلا کر رکھا ہے۔ افسوس کہ بایں ہمہ ''یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّھُمۡ یُحۡسِنُوۡنَ صُنۡعًا ''۔(الکھف:۱۰۴) ''وہ اسی گمان میں رہے کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے ہیں''۔

ہندوستان میں گو کہ بظاہر ظہیر الدین، ابراہیم، غزنوی، خلجی ولودھی جیسے ناموں والے حکمراں وارد ہوئے اور اپنی سیاست وسیادت کا سکہ جمایا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے حکمراں کا اصل کردار نبھانے اور ہندوستان کے لیے بہت کچھ کر گذرنے کے علاوہ اور کوئی استعماری حربہ نہیں اپنایا اور قبل وبعد کے فرمارواؤں اور مجاہدوں نے سوائے جنتا کی بھلائی اور خود ابناء جنس ومواطن کی دہائی پر دادرسی اور ان کے خلاف روا رکھے گئے ظلم وستم کو ختم کر کے بہت حد تک ناانصافی اور ناہمواری کو مٹانے کے علاوہ کوئی پرفریب نعرہ نہیں لگایا اور نہ ہی مذہبی تعصب کا مظاہرہ کیا۔وطن عزیز کو بنانے سنوارنے، لائق فخر بنانے اور سونے کی چڑیا بنانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔نہ مال واسباب اور خزائن ودفائن کو لے کر سات سمندر پار جانے والوں کی طرح لوٹ وکھسوٹ کی۔بلکہ انہوں نے اسی کی فضاؤں میں سانس لی اور اسی کی مٹی میں دفن ہو گئے۔انہوں نے دل وجان سے رواداری اور رعایا پروری کا حق ادا کر دیا۔رہ گیا ان کا راجاؤں، مہاراجوں، نوابوں اور بادشاہوں سے نبرد آزمائی کا معاملہ تو اس تناظر میں قلم وقرطاس اور لوح وقلم کے شہسواروں وستمگاروں نے جو ظلم ڈھایا ہے اور زیب داستان کے لیے جس انداز میں مذہبی وقومی اور دینی منافرت کا شاخسانہ کھڑا کیا ہے اور اسے مذہبی رنگ دینے کی کوشش کی ہے۔وہ ہماری تاریخ کا خونچکاں باب ہے۔دراصل ان معرکہ آراء بادشاہوں سے زیادہ یہ زبان وبیان اور تاریخ نویسی کے نام پر خون حق وانصاف اور افسانہ طرازی کی ہے اور رنگ آمیزی کا مشغلہ اپنایا

ہے۔ ورنہ کون نہیں جانتا کہ انسانی تاریخ میں اکثر جنگ وجدال اور حرب وقتال خود ایک ہی ابنائے جنس بلکہ ایک ہی دین ودھرم کے نام نہاد متبعین نے کیا ہے۔

اگر ہم اقوام عالم خود عربوں، فارسوں اور بادشاہان وسرداران یورپ کو دیکھیں تو ہمیں وہ خود آپس میں ہی دست وگریباں اور ایک دوسرے سے برسر پیکار اور نبرد آزما نظر آتے ہیں۔ جنگ عظیم اول ودوم کے اصل محرک کون تھے اور ان جنگوں میں دونوں طرف سے ہیرو در اصل زیرو تھے کون تھے؟ کہاں سے حملہ آور ہوئے تھے؟ اور کن مذاہب کے ماننے والے تھے کہ جن کی مثال قتل انسانی کی تاریخ میں اس کیفیت وکمیت کے ساتھ دور اور دیر تک نظر نہیں آتی۔ دور کیوں جاتے ہو، خود وطن عزیز ہندوستان میں لنکا کس بھیدی نے ڈھایا تھا اور راون کون تھا؟ اس کا مذہب ونسب کس سامراج مغل وملیچھ سے ملتا تھا۔؟ خود مسلمانوں کے یہاں بلکہ اسی ہندوستان میں مختلف ادوار میں ان کے درمیان ہی کیا کیا نہ ہوا جس کو تم ایک خاص قوم ومذہب کے حوالے سے نفرت آمیز اور تعصب خیز فارمولہ اور فکر تیار کر کر کے پیش کر رہے ہو۔ جب ان کی آپسی وسیاسی کشمکش اور ہر حادثے کے پیچھے دو مذہبوں کے جھگڑے تمہیں نظر آتے ہیں۔ تو پھر تم ہی بتاؤ کہ یہاں باپ نے بیٹے کے خلاف اور بیٹوں نے باپوں اور چچاؤں کے خلاف کیوں معرکہ آرائی کی اور دھوکہ دھڑی کا بازار کیوں گرم کیے رکھا۔ یہاں کونسی مذہبی تعصب کی کارفرمائی تھی؟ اس خروجی دور میں بھی جب کہ ملوکیت اور سامراجیت کا خاتمہ ہو چکا ہے اور جمہوریت کا راگ الاپا جا رہا ہے، ایک باپ بیٹے کا، چچا بھتیجے کا، بھائی بھائی کا دشمن بن رہا ہے۔

افسوس کہ تعصب وتنگ نظری کے باوا آدم تم خود ہی ہو اور اس سلسلے میں اس قدر تم نیچے گر گئے ہو کہ اسے تاریخی استناد بخشنے اور لائق اعتماد بنانے کے لیے تاریخی مواد بھی فراہم کرتے ہو۔ ایک خاص طبقے سے تحسین وداد بھی حاصل کرتے ہو۔ اور اس پر مذہب اور دھرم کا خول چڑھا کر اسے مذہبی ومقدس جنگ وجہاد قرار دیتے ہو۔ تف ہے تمہاری اس فکر وفن پر۔ حیف ہے تمہارے اس عمل پر۔ ”فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ يَكۡتُبُوۡنَ الۡكِتٰبَ بِاَيۡدِيۡهِمۡ ثُمَّ يَقُوۡلُوۡنَ هٰذَا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ لِيَشۡتَرُوۡا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيۡلًا فَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا كَتَبَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ وَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا يَكۡسِبُوۡنَ“ (البقرہ:۷۹) ”ان لوگوں کے لیے ”ویل“ ہے جو اپنے ہاتھوں کی لکھی ہوئی کتاب کو اللہ تعالیٰ کی طرف کی کہتے ہیں اور اس طرح دنیا کماتے ہیں، ان کے ہاتھوں کی لکھی ہوئی کو اور ان کی کمائی کو ویل (ہلاکت) اور افسوس ہے۔“

در اصل ان تمام خرافات اور افترآات سے ہٹ کر ہمیں انسانی کمزوریوں، دینی کوتاہیوں اور لغزشوں پر نظر رکھنی چاہئے۔ ہم نے آزادی کے بعد عمدہ ماحول بنانے کی کوشش کم کی، بلکہ بگاڑنے والوں کو کھلی چھوٹ دی۔ ہم نے یہی نہیں کہ حائل شدہ خلیج کو پاٹنے کی بھرپور کوشش نہیں کی بلکہ ہمارے آباء واجداد نے جو ہم وطنی، بھائی چارہ، انسانی رواداری، اسلامی واخلاقی سربلندی اور ایمانداری کا جو مثالی نمونہ پیش فرمایا تھا اسے بھی ہم نے فراموش کر دیا۔ نفرت کی کھیتی کرنے والے ڈرے سہمے اور نکّو بنے اپنے مشن میں لگے رہے اور ہم اپنی بنیادی قوت قومی یکجہتی، انسانی بھائی چارہ اور اسلامی اخلاقی کردار سے دھیرے دھیرے دست بردار ہوتے گئے۔ چہ جائے کہ ہمیں اس زیاں اور سخت کوتاہی پر انتہائی افسوس اور تلافی مافات کی فکر ہوتی، ہم نے آپ کے لیے ہزاروں عذر و بہانے تلاش لیے۔ قوموں اور افراد کی زندگی میں اپنی غلطیوں، کوتاہیوں اور کسل مندیوں کا سزاوار اور قصوروار دوسروں کو گردانا جانے لگے تو سمجھ لینا چاہئے کہ ان کے حق میں ناکامی لکھ دی گئی ہے اور مزید انحطاط وتنزلی بلکہ ذلت وپستی مقدر ہو گئی ہے۔ ایک دوسرے پر الزام دھرنا ہی ناکامی کی پہلی اور آخری منزل ہے۔ ورنہ اکثر یہی ہو رہا ہے کہ ٹھوکریں کھانے کے بعد ہی انسان سرخرو ہوتا ہے۔ ہماری حالت بحیثیت مسلم امت ایک مغضوب وضال قوم کی سی ہوتی جا رہی ہے اور ہمیں احساس تک نہیں ہے۔ اس سے زیادہ پستی، ضلالت اور مغضوبیت اور کیا ہو سکتی ہے کہ ہمارا اپنا وجود وبقا داؤں پر لگا ہوا ہے ہم خیر امت ہو کر بھی سارے عالم کو بھلائی کی راہ پر لانے اور گمراہی ومنکرات سے روکنے اور بچانے کے لیے خود معروف کی راہ چھوڑ کر منکر اور نفاق وشقاق کی راہ پر گامزن ہو جاتے ہیں۔ ہم بحیثیت فرد وجماعت بھی ایک دوسرے میں تفریق وعداوت، نفرت اور تقسیم در تقسیم کا فارمولہ اپناتے ہیں، سازش کرتے ہیں اور بحیثیت امت وقوم بھی آپس ہی میں بلاک در بلاک بناتے ہیں اور گروہ در گروہ عالم اسلام کو باٹنے کی کوشش کرتے ہیں اور سازشوں اور چالوں کے تانے بانے بننے کے لیے اپنی بھاری عوامی مقبولیت کا حوالہ دیتے ہیں اور جب اپنے وجود کا مسئلہ ہو تو چھوٹے چھوٹے مسئلہ میں خود کو مظلوم اقلیت اور بے جان

فرقہ تصور کر کے متحد و منظّم ہوکر اپنے وجود و بقا کی بھیک مانگنے سے بھی ڈرتے ہیں ۔ معاف کیجئے گا ۔ بڑی بڑی جماعتیں اور زعماء وسورما اپنے مطالبات (بھیک) بھی مانگنے اور سامنے رکھنے سے گریزاں وترساں ہیں ۔ حد تو یہ ہے کہ وہ مایوس بھی نظر آرہے ہیں اور برملا اظہار بھی کررہے ہیں ۔ مگر انتہائی شاطرانہ، منافقانہ اور ماکرانہ انداز میں، حالانکہ مایوسی، خوف، اندیشہائے دراز اور ذاتی و جماعتی مصلحت پسندی اسی قدر مجبور کررہی ہے تو صاف صاف اس کا بھی اظہار ہوجانا چاہئے کہ اب ہم میں سکت نہیں رہی، اب ہم گفتار و کردار کے حامل نہیں رہ گئے ۔ ایسے موقع سے ہمیں خود کو پورے طور پر حالات کے رحم وکرم پر چھوڑ دینا چاہئے یا خودسپردگی کردینی چاہئے جس کے مظاہرے تلبیس ومکر کی چادر میں لپیٹ کر بار ہا کیا جارہا ہے اور صاف صاف کہہ دینا چاہئے کہ مصلحت امت اسی میں ہے ۔ امن وآشتی، اخلاق ومحبت، ایک انسان کا دوسرے انسان کے کام آنا اور دوسرے کے حقوق ادا کرنا ہمارا مشن ہے ۔ اپنا حق لینے سے زیادہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا کرنے کا نام ہی دین وایمان ہے اور یہی ہر انسان کا حق ہے ۔

تو آئیے عہد کریں کہ ہم اللہ تعالیٰ کا پیغام امن وایمان اور اخوت ومحبت ہر انسان تک خصوصاً ابناء وطن تک پہنچائیں گے ۔ آپسی میل جول، قومی یکجہتی، انسانی مساوات اور ہمدردی وبہی خواہی کا فریضہ ادا کریں گے ۔ نفرت کا جواب محبت سے دیں گے ۔ برائی کا بدلہ بھلائی سے چکائیں گے ۔ صلح حدیبیہ، حلف الفضول، فتح مکہ اور جعرانہ کے مال غنیمت کی تقسیم وترجیح کی سنت کو زندہ کریں گے ۔ گرچہ معاشرہ ابھی اتنا نہیں بگڑا ہے اور ماحول اتنا خراب نہیں ہوا ہے ۔ اپنے عظیم اخلاقی فاتحانہ کردار کو زندہ کریں گے اور آپس کے تمام شیطانی وسوسوں کو یکسر حرف غلط کی طرح مٹا کر باہم نصح وخیرخواہی اور درگذر والا مومنانہ اور انسانیت نواز عملی نمونہ پیش کر کے عند اللہ وعند الناس سرخرو ہوں گے ۔ اگر جنت الفردوس الاعلیٰ میں جو ’’فلا خوف علیھم و لاھم یحزنون ‘‘ جیسی کیفیت والی ہے اقامت کے دوران وساوس شیطانی سے لغزش انسانی ہوسکتی ہے تو یہ سرزمین جو شر وفساد وسنگ ومار، کرب وبلا، فتنہ و افتراء اور قدم قدم بلاؤں والی ہے پر باوجود لمبی زندگی جینے کے ہمارے جدامجد آدم علیہ السلام سے ادنیٰ لغزش سے بچ جانا اور فرشتوں جیسی زندگی جی کر بصحت وسلامت دین وایمان اور بلندی اخلاق وکردار اور نمونہ انسانیت جمعاء کے ساتھ اس دنیا کو کامیاب طریقہ سے برت لینا ممکن ومعہود ہے تو پھر ہم کیوں نہیں سدھر اور سنبھل سکتے ؟ اور ان تمام حالات خیر وشر اور جانی دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک اور بہتر زندگی گذارنے کے نمونے ہمارے نبی آخر الزماں رحمۃ للعالمین محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہیں اور ہم اسی کے مکلّف ہیں تو پھر ہمارے لیے کیا مشکل ہے؟

بر کریما کارہا دشوار نیست

کسی بھی قوم اور جماعت میں اس طرح کی ناگفتہ بہ کیفیت اور صورت حال جذبہ خود احتسابی کے فقدان کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے ۔ خود احتسابی کا جذبہ نہ ہونے کی وجہ سے فرد ہی نہیں بلکہ پورا معاشرہ اور ملک وملت انارکی، ظلم، ناانصافی، استحصال، ٹوٹ پھوٹ، بھید بھاؤ اور نہ جانے کن کن برائیوں کی آماجگاہ بن جاتا ہے ۔ اس لیے خود احتسابی اور اپنے عمل وکردار کا محاسبہ ضروری ہے ۔ خود احتسابی انسان کے اندر اعلیٰ اقدار واخلاق پیدا کرتی ہے اور اسے زندگی کے ہر کارزار میں کامیاب وسرخرو بناتی ہے ۔ اسلام نے اس جذبے کو قرن اول کے مسلمانوں کے اندر بطور خاص پروان چڑھایا تھا ۔ وہ دوسروں کا احتساب کرنے کے بجائے اپنا محاسبہ کرتے تھے ۔ وہ سماج ومعاشرہ اور جمعیت و جماعت، اداروں اور افراد وشخصیات کے خلاف احتساب کی قینچی لے کر یونہی نہیں بیٹھ جاتے تھے بلکہ وہ کلی طور پر ’’حاسبوا قبل ان تحاسبوا ‘‘ پر گامزن تھے ۔ وہ سوال کرنے کے نہیں بلکہ جواب دینے اور سائل کو اپنے جواب سے مطمئن کردینے کی پوزیشن میں ہوتے تھے کہ انہوں نے لمبا جامہ کیسے اور کس طرح زیب تن کیا ہے ۔! ان کا عمل وکردار صاف ستھرا اور شیشے کی طرح چمکدار ہوتا تھا ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا احتساب خالص نصح وخیرخواہی پر محمول کیا جاتا تھا ۔ آج کے صبر آزما اور ہمت شکن دور میں بھی پرامن وخوش گوار زندگی کے لیے اور بحیثیت قوم وملت اور جماعت عزت وسربلندی سے ہم کنار ہونے کے لیے خود احتسابی ضروری ہے ۔ زندہ قوموں کا ہر دور میں یہی شیوہ رہا ہے ۔ اقبال نے کہا تھا:

صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر گھڑی اپنے عمل کا احتساب

☆☆☆

اللہ کی تسبیح بیان کریں

خورشید عالم مدنی، پٹنہ

ذکر الٰہی کا مفہوم بڑا وسیع ہے۔ یہ صرف تسبیح وتحمید اور تکبیر وتہلیل تک محدود نہیں ہے۔ ہمیں اس کے مفہوم کی وسعت کو سمجھنا چاہیے۔ اس کی مختلف نوعیتوں کو اپنے ذہن ودماغ میں اتارنا چاہیے۔ اور اس کے فضائل کو جاننے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ ہمارے شوق کی موجوں میں اضطراب پیدا ہو اور "ذکر" جیسے محبوب وپسندیدہ عبادت کو صحیح انداز سے ادا کریں اور اللہ کی قربت اور اس کی رضا کے مستحق بن جائیں۔

ذکر الٰہی کا ایک مفہوم یہ ہے کہ بندہ اللہ کے احکامات کو، اس کے نواہی کو یاد کرے کہ ہمیں اللہ نے تو یہ حکم دیا ہے اور ان چیزوں سے منع کیا ہے۔ ہمارا اللہ ایسے اعمال کو پسند کرتا ہے اور ایسے اعمال کو ناپسند کرتا ہے۔ وہ خرید وفروخت کا اس طرح حکم دیتا ہے اور نکاح وطلاق سے متعلق یہ فرماتا ہے۔ جیسا کہ مشہور تابعی عطاء الخراسانی ؒ فرماتے ہیں مجالس الذكر مجالس الحلال والحرام، كيف تشتري و تبيع و تصلي و تصوم و تنكح و تطلق و تحج و أشباه هذا ایسی مجلسیں بھی ذکر کی ہیں جن میں حلال وحرام کے تذکرے ہوں۔ یہ بتایا جائے کہ آپ بیع و شراء، نماز روزے، نکاح وطلاق حج وغیرہ کیسے کریں گے۔

ذکر الٰہی کے مفہوم میں یہ بھی شامل وداخل ہے کہ ہم اللہ کے اوامر ونواہی کو یاد کرکے اس پر عمل بھی کریں، اس کے احکامات کی بجا آوری ہو اور اس نے جن چیزوں سے منع کیا ہے ان سے کلی طور پر اجتناب کریں۔ مثلاً ایک شخص اللہ کے کسی حکم کو سنتا ہے۔ موذن کی زبانی "حي على الصلاة" اس کی سماعت سے ٹکراتی ہے تو فوراً تعمیل حکم میں لگ جائے اور نماز کی تیاری شروع کردے۔

اسی طرح جب اسے معلوم ہوجائے کہ اللہ نے سود کھانے سے منع کیا ہے، اللہ کے رسول نے جھوٹی گواہی دینے سے منع کیا ہے، تو ذکر الٰہی یہ ہے کہ اب وہ اپنے معاملات کو صاف اور سود کی آمیزش سے پاک کرے اور لاکھ کوشش کی جائے، لاکھوں کی لالچ دی جائے لیکن وہ شہادت زور کے لیے تیار نہ ہو۔

اسی طرح ذکر کے مختلف انواع واقسام بھی ہیں، ان تمام کے ذریعہ ہم ہمیں اپنے رب کو یاد کرنا ہے تاکہ ہمارا رب بھی یاد رکھے، ہمیں نہیں بھولے۔ انسان کی اس سے بڑھ کر بدبختی نہیں ہوسکتی کہ اس کا خالق وپالنہار اسے بھول جائے۔

1) کلمہ توحید "لا الہ الا اللہ" کے مفہوم کو سامنے رکھ کر اس کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے زبان سے ادا کرنا۔

2) افضل الذکر تلاوت قرآن ہے_ تلاوت قرآن کے ساتھ ساتھ اس کو سمجھنا اور اس کے مطابق عقیدہ وعمل، اخلاق ومعاملات کو سنوارنا۔

3) جو اذکار و اوراد کسی وقت کے ساتھ خاص ہیں جیسے سوتے وقت، بیدار ہونے پر، گھر میں داخل ہونے اور نکلنے پر، چھینک آنے اور چاند پر نظر پڑنے پر وغیرہ۔ ان ہی اوقات میں اُن اذکار ودعاؤں کا اہتمام کرنا۔

4) کچھ ایسے بھی اذکار ودعائیں ہیں جو کسی وقت کے ساتھ محدود ومختص نہیں، کثرت سے اُن کے پڑھنے کا اہتمام کرنا_ جیسے اللہ کی پسند تسبیح، تحمید، تہلیل اور تکبیر ہیں جن کے متعلق رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں أحب الكلام الى الله أربع: سبحان الله و الحمد لله و لا اله الا الله والله أكبر لا يضرك بأيهن بدأت یعنی "اللہ تعالی کو چار کلمات بہت پسند ہیں (1) سبحان اللہ (2) الحمد للہ (3) لا الہ الا اللہ (4) اللہ اکبر۔ ان میں سے کسی کے ساتھ بھی شروع کرنے میں کوئی حرج نہیں" (مسلم: 2137)

سبحان اللہ: یہ تسبیح سب سے اہم ذکر ہے۔ اس کی حیثیت عظیم اور شان ومقام رفیع و بلند ہے۔ یہ لفظ قرآن کریم میں 80 سے زائد مقامات پر مختلف صیغوں (ماضی، مضارع، امر) کے ساتھ آئے ہیں اور قرآن کریم کی بہت ساری سورتوں کی ابتداء اس لفظ سے ہوئی ہے۔

خیال رہے کہ پوری کائنات اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے، یہ آسمان، زمین پہاڑ، شمس وقمر اس کی تمام مخلوقات سب محو تسبیح ہیں۔ کیا فرمایا رب العالمین نے تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبۡعُ وَ الۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِيۡهِنَّ وَاِنۡ مِّنۡ شَىۡءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ وَلٰـكِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِيۡحَهُمۡ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيۡمًا غَفُوۡرًا (اسراء :44) "ساتوں آسمان اور زمین اور جو مخلوقات اُن میں پائے جاتے ہیں، سبھی اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور ہر چیز صرف اسی کی حمد وثناء اور پاکی بیان کرنے میں مشغول ہے لیکن تم لوگ اُنکی تسبیح کو نہیں سمجھتے ہو۔ وہ بیشک بڑا بردبار، بڑا معاف کرنے والا ہے"۔ وَّسَخَّرۡنَا مَعَ دَاوٗدَ الۡجِبَالَ يُسَبِّحۡنَ وَالطَّيۡرَ وَكُنَّا فٰعِلِيۡنَ (أنبیاء: 79) "اور ہم نے پہاڑوں کو داؤد کے تابع بنا دیا تھا، وہ تسبیح پڑھتے تھے، چڑیوں کو بھی تابع بنا دیا تھا اور یہ ہم نے کیا تھا"۔

جب ہم سبحان اللہ کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی ذات ہر قسم کے نقص وعیب اور شراکت سے پاک ہے۔ اس کا کوئی ساجھی، مثیل وہمسر نہیں۔ اسی طرح اس کی تمام تخلیقات ہر قسم کی کوتاہی وکمی سے منزہ ہے، اسے یونہی بے کار پیدا

نہیں کیا ہے رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً (آل عمران:191)اس کے تمام اوامرو احکام اور فیصلے حکمت و مصلحت اور عدل پر مبنی ہیں۔اس میں ذرّہ بھی ظلم وزیادتی، کجی و نقصان کا شائبہ نہیں ہے۔

احادیث میں تسبیح کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ارشادنبوی ہے: من قال سبحان الله و بحمده في يوم مائة مرة حطت خطاياه و ان كانت مثل زبد البحر جوشخص دن میں سومرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ کہے اس کے گناہ مٹادیئے جائیں گے اگر چہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں"(مسلم:2691)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من قال حين أصبح: سبحان الله العظيم و بحمده مائة مرة و اذا أمسى كذلک لم يواف أحد من الخلائق بمثل ما وافى "جو شخص "سبحان الله العظيم وبحمده سومرتبہ صبح پڑھے اوراسی طرح شام کوبھی سومرتبہ پڑھے تواس کے برابر مخلوق میں کسی کا درجہ نہیں ہوسکتا۔(ابوداؤد:5091)

اسی تسبیح سے جنت میں شجر کاری کی جا سکتی ہے امام الانبیاء فرماتے ہیں:لقيت ابراهيم ليلة أسرى بى، فقال: يا محمد، أقرئى أمتک منى السلام، وأخبرهم أن الجنة طيبة التربة، عذبة الماء، وأنها قيعان، وأن غراسها سبحان الله، والحمد لله، ولا اله الا الله والله أكبر یعنی شب معراج میری ملاقات ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی توانہوں نے فرمایا: محمد! اپنی امت کومیرا اسلام عرض کردیں اور یہ بتادیں کہ جنت کی مٹی پاکیزہ، پانی شیریں ہے اوروہ ایک میدان ہے(اس میں) شجرکاری سبحان اللہ، الحمدللہ، ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر کے ذریعے کی جاسکتی ہے"۔

واضح رہے کہ تسبیح فرشتوں کا ذکر ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ (شوری:5)"اور فرشتے اپنے رب کی پاکی اوراس کی تعریف بیان کرتے ہیں اور زمین میں رہنے والے(اہل ایمان) کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں"۔

یہ تسبیح جنّتیوں کا ذکر ہے "دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ" (یونس:10)"وہاں اُن کی دعاسبحانک اللھم (یعنی اے اللہ! تیری ذات ہرعیب سے پاک ہے)ہوگی اوراُن کا آپس کا سلام وتحیّہ سلام علیکم ہوگا"۔

اس تسبیح کا حکم اللہ تعالی نے اپنے نبی زکریاؑ کودیاوَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ (آل عمران:41)"اوراپنے رب کوکثرت سے یادکرواورشام کواورصبح کواُسکی تسبیح بیان کرو"

اوراسی تسبیح کو بیان کرنے کا حکم حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنی قوم کو دیا فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا (مریم:11)"پس وہ محراب سے نکل کراپنی قوم کے پاس آئے اوراُن سے اشارہ میں کہا کہ تم لوگ صبح وشام اللہ کی تسبیح بیان کرو"

موسی علیہ السلام نے دعا مانگی کہ اللہ ہارون کووزیر بنادے تاکہ تیری تسبیح، ذکر واذکار میں وہ میری مدد کریں وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ هٰرُوْنَ اَخِي اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا (طہٰ:29-33)یعنی"اور میرے گھرانے سے میرا ایک وزیر مقرر کردے۔میرے بھائی ہارون کومقرر کردے۔ اُن کے ذریعہ میری قوت کو بڑھادے اور میری دعوتی مہم میں اُن کو میرا شریک بنا دے،تاکہ ہم دونوں تیری خوب تسبیح بیان کریں اور تجھے خوب یادکریں"۔

پس ہمیں کثرت سے تسبیح وتہلیل، ذکرواذکار کا اہتمام کرنا چاہیے۔یہ بڑا آسان عمل ہے،اس کے لیے وضو، قبلہ رخ ہونا ضروری نہیں، جسمانی محنت بھی نہیں، مالی صدقہ بھی نہیں، بلکہ یہ ہماری فلاح کا سبب ہے۔وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (انفال:45)"اوراللہ کوخوب یادکروتاکہ تم کامیاب رہو"

☆☆☆

(جماعتی خبر کابقیہ)

انتقال پر ملال: انتہائی افسوس ناک خبر یہ ہے کہ ۴/اکتوبر۲۰۲۱صلوۃ عصر سے قبل میرے نانا جناب امیر احمد صاحب، رچھا بریلی کا انتقال ہوگیا۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔آپ کی عمر تقریباً ۹۰برس تھی۔آپ مغربی یوپی کے تعلیمی مرکز المعھد الاسلامی السّلفی، رچھا بریلی کے محسنین میں سے تھے۔صوم وصلوۃ کے پابند تھے اورایک اچھے انسان تھے۔لہٰذا آپ قارئین سے موصوف کے حق میں دعائے مغفرت کی درخواست ہے اور ان کے جملہ اعزاواقربا کے لئے دعائے صبر جمیل کی بھی۔اللہ تعالیٰ محترم نانا ونانی جوکہ کچھ عرصہ پہلے فوت ہوئی تھیں کی حسنات کوقبول فرمائے اور سیئات کو درگزر فرمائے۔آمین

(دعاگو: ذہین سلیم، جوکھن پور، ناظم ضلعی جمعیت اہل حدیث بریلی)

ڈاکٹر صلاح الدین صاحب کا انتقال پر ملال:

ڈاکٹر صلاح الدین بن حاجی محمد حیات (جرمن ریٹرن) کا مورخہ ۱۸/نومبر ۲۰۲۱ءکو ایمس میں انتقال ہوگیا۔انا للہ وانا الیہ راجون۔ڈاکٹر صلاح الدین بن حاجی محمد حیات ایک عظیم سماجی شخصیت اور معروف ومشہور ڈاکٹر تھے۔وہ عظیم خانوادے کے چشم وچراغ اوراپنی طبی وسماجی خدمات کی وجہ سے اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔

مرحوم کوان کے آبائی وطن موضع کٹھری مغربی چمپارن میں سپرد خاک کیا گیا جنازہ میں ایک جم غفیر نے شرکت کی جس کی مثال کم ہی ملتی ہے۔اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کوقبول فرمائے۔جنت الفردوس کا مکین بنائے۔پسماندگان اہلیہ بیٹی بھائی اور صاحب زادگان کوصبروسلوان عطافرمائے۔(شریک غم: محمد اظہر مدنی)

☆☆☆

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادتیں

مولانا آصف تنویر تیمی
جامعہ امام ابن تیمیہ، بہار

قرآن کریم کے مطابق آپ اخلاق وکردار کے اعلی معیار پر فائز تھے۔ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿وانک لعلی خلق عظیم﴾ ’’اور آپ یقیناً عظیم اخلاق والے ہیں‘‘۔ (القلم: ۴) عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: ’’کان خلقه القرآن‘‘ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآنی اخلاق کے حامل تھے)۔ (مسلم: ۱/۷۴۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ متواضع، باحیاء، بہادر، سخی، امانت دار، سچے، دنیاداری سے بے نیاز، مخلص، بے غرض، فصیح وبلیغ، باشعور، رحم دل، معاف کرنے والے، بے جاسختی سے دور، صابر وشاکر، حق کے معاملے میں جری اور بارعب شخصیت کے حامل تھے۔

اللہ تعالی کے لئے مخلص ہونا ایمان صادق کا ثمرہ ہے۔ بدنیتی ان لوگوں کے اندر پائی جاتی ہے جن کے ایمان میں کھوٹ ہوتا ہے۔ اخلاص کا مفہوم یہ ہے کہ ہماری تمام تر عبادتوں کا مقصد اللہ تعالی کی خوشنودی ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور کثرت عبادت پر نگاہ رکھنے والوں پر یہ عیاں ہے کہ آپ دنیا سے بے نیاز اللہ تعالی کی طرف راغب تھے۔ آپ اخلاص کی دعا بھی کرتے: ’’اللهم اجعلني مخلصا لک‘‘ (اے اللہ! تو مجھے اپنا مخلص بنالے)۔ (سنن ابوداود: ۲/۱۷۴) آپ کے اندر تقوی کی صفت کوٹ کوٹ کر بھری تھی، اور تقوی اللہ کی معرفت، عظمت اور ہیبت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ آپ دعا فرماتے: ’’ اللهم اجعلني من ائمة المتقين‘‘ (اے اللہ! تو مجھے متقین کے اماموں میں سے بنادے) (موطأ مالک، مس القرآن، ۴۲) اللہ تعالی نے آپ کی خواہش کو پورا کیا اور آپ تقوی کی چوٹی پر پہنچے، آپ نے صحابہ سے فرمایا: ’’ انی لأخشاكم لله وأتقاكم له‘‘ (بے شک میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں)۔ (صحیح البخاری: ۵۰۶۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب آپ کی کثرت عبادت کے بارے میں پوچھا گیا حالانکہ اللہ تعالی نے آپ کے تمام گناہوں کو معاف کردیا تھا تو آپ نے فرمایا: ’’أفلا اكون عبدا شكورا‘‘ (کیا میں اس کا شکرگزار بندہ نہ بنوں)۔ (صحیح البخاری: ۲۸۱۹)

اللہ تعالی کی عبادت اس کی عظمت، اس کی بے شمار نعمتوں کے احساس کا ثمرہ ہے۔ اسی احساس کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرائض ونوافل، ذکر واذکار، خشوع وخضوع، انابت الی اللہ اور اس پر توکل کامل کے جذبات سے سرشار تھے۔ آپ کے قلوب واذہان اللہ کی محبت سے لبریز تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: ’’کان يصلي ليلا طويلا قائما، وليلا طويلا قاعدا، ولم يكن يكلف نفسه فوق ما تطيق بل يعمل ما يتيسر له حسب مراحل عمره وقوة جسده، فلما ثقل جسمه أخذ يصلي قاعدا‘‘ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی پوری رات کھڑے اور کبھی بیٹھے نماز پڑھتے، طاقت سے زیادہ کام کا کبھی اپنے کو متحمل نہ بناتے، عمر اور جسمانی قوت کے اعتبار سے عمل کرتے، آپ کا جسم جب بھاری ہوگیا تو بیٹھ کر نماز ادا کرتے)۔ (صحیح مسلم: ۱۱۶)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شب کیسے گزارتے تھے، اس کی عکاسی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: ایک مرتبہ آپ نے اپنی سوتیلی خالہ میمونہ کے گھر رات بتایا۔ میں بستر کی چوڑائی میں اور آپ اس کی لمبائی میں سوگئے۔ آدھی رات یا اس سے کچھ قبل آپ بیدار ہوئے، نیند کو دور کیا، آل عمران کی آخری دس آیتیں پڑھیں، برتن کا پانی اٹھایا اور اچھی طرح وضو کیا اور نماز میں مشغول ہوگئے۔ عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں: میں بھی آپ کے پہلو میں کھڑا ہوگیا، آپ نے بارہ رکعات پڑھیں، پھر وتر پڑھا، پھر سوگئے، مؤذن نے فجر کی اذان دی، آپ نے فجر کی دو رکعت سنت ادا کی اور اس کے بعد فرض نماز پڑھی۔ (صحیح مسلم: ۷۷۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی آیتوں کو کھینچ کر اور ٹھہر کر پڑھتے۔ کبھی سری قراءت کرتے اور کبھی جہری۔ ایک آیت کو کئی دفعہ بھی دہراتے۔ دوران قراءت آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتا، رونے کی آواز بھی آتی۔ عبداللہ بن الشخیر رضی اللہ عنہ نے مروی ہے: ’’أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يصلي، ولجوفه أزيز كأزيز المرجل من البكاء‘‘ (میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، آپ نماز میں مشغول تھے، آپ کے رونے کی آواز اسی طرح آرہی تھی جیسے ہانڈی میں پانی ابال کھاتا ہے)۔ (سنن النسائی: ۱۲۱۴، صححہ الألبانی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ رب العزت کی معرفت رکھتے تھے۔ حق کا شناساں آپ سے بڑھ کر کوئی نہ تھا۔ غیب کی جو باتیں اللہ تعالی نے آپ کو بتلائی تھیں، اسراء ومعراج میں جو حقائق آپ نے دیکھے تھے ان چیزوں نے آپ کے دل ودماغ کو علم وخشیت اور غور وفکر سے معمور کردیا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی پابندی سے تلاوت فرماتے تھے۔ آپ خود تلاوت کرتے اور دوسرے صحابہ سے بھی تلاوت سنتے تھے۔ بالخصوص ابی بن کعب، عبداللہ بن مسعود اور ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہم جو قرآن کریم کو خوبصورت لب ولہجہ اور تجوید کی پوری رعایت کے ساتھ پڑھتے تھے ان حضرات سے آپ قرآن کریم کی تلاوت سنتے تھے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ’’مجھ سے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ مجھے قرآن پڑھ کرسناؤ، تو میں نے کہا میں آپ کو سناؤں اور آپ ہی پر نازل ہوا ہے؟ آپ نے کہا، ہاں، میں دوسروں سے قرآن سننا پسند کرتا ہوں، تو میں نے سورہ نساء پڑھنا شروع کیا، یہاں تک کہ اس آیت پر پہنچا" فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا" (۴۱) تو آپ نے کہا کہ اب بس کرو۔ میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھا"۔(صحیح بخاری: ۱۱۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو موسی الاشعری رضی اللہ عنہ کی تلاوت بڑی پسند تھی، ان کی خوبصورت آواز کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آل داود کی بانسری سے مشابہت دی۔ ایسے ہی آپ دیگر صحابہ سے بھی قرآن کریم سنا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں نفلی نماز پڑھتے اور فرض نمازیں صحابہ کے ساتھ مسجد میں ادا کیا کرتے تھے۔ جب آپ سے گھر اور مسجد میں نماز سے متعلق دریافت کیا گیا تو کہا:"میرے گھر اور مسجد کا فاصلہ نہایت کم ہے، میں اپنے گھر میں نماز پڑھوں یہ مسجد میں نماز پڑھنے سے مجھے زیادہ پسند ہے سوائے فرض نماز کے"۔(سنن ابو داود: ۹۱۹) پانچوں وقتوں کی نمازیں مسجد میں باجماعت ادا کرنے کے بہت سارے فوائد ہیں؛ قریہ کے سارے لوگ اس مناسبت سے اکٹھا ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ایک دوسرے سے تعارف ہوتا ہے۔ بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کے معین ومددگار بنتے ہیں۔ ایک دوسرے کے حال واحوال کے جاننے کا موقع میسر آتا ہے۔ نماز باجماعت کے اہتمام سے اسلام کی شان وشوکت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا ثواب اکیلے نماز پڑھنے سے ستائیس گنا زیادہ بھی ملتا ہے۔ نفلی نماز اگر اپنے گھر میں ادا کرتا ہے تو اس سے کافی حد تک ریا ونمود سے بچ جاتا ہے۔ اور ان نمازوں میں گھر کے دیگر لوگ بھی شریک ہو سکتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد، چاشت اور دیگر نفلی نمازوں کا غایت درجہ خیال رکھتے تھے۔ آپ کے آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں تھی۔ نماز مومن کا معراج ہے۔ آپ کی آخری وصیت نماز کے سلسلے میں تھی "الصلاة وما ملكت أيمانكم" (نماز اور اپنے لونڈیوں کا خیال رکھنا)۔(سنن ابن ماجہ: ۲۱۸۱، صححہ الألبانی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل اپنے رب سے ہمیشہ جڑا رہتا تھا۔ عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے جب آپ کے محبوب عمل کے بارے میں سوال کیا گیا تو کہا:" ما ديم عليه وان قل" (آپ کے نزدیک پسندیدہ عمل وہ تھا جس پر مداومت برتی جائے اگر چہ وہ عمل تھوڑا ہو"۔(مختصر الشمائل للألبانی، ص ۱۶۴/۱۴۵)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادات مختلف نوع کی ہوتی تھیں۔ آپ نماز بھی پڑھتے، روزہ بھی رکھتے۔ ذکر واذکار بھی کرتے۔ تعلیم وتربیت کا فریضہ بھی انجام دیتے تھے۔ عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:"میں ایک شب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ آپ نے مسواک کے بعد وضو کیا اور نماز کے لئے کھڑے ہوگئے۔ میں بھی آپ کے ساتھ ہولیا۔ آغاز کے بعد آپ نے سورہ البقرۃ کی شروعات کی۔ رحمت کی آیت سے گزرتے تو اللہ سے رحمت کا مطالبہ کرتے۔ عذاب کی آیت سے گزرتے تو اللہ سے پناہ مانگتے۔ پھر آپ نے رکوع کیا۔ قیام کے برابر آپ رکوع میں رہے۔ رکوع میں آپ نے کہا" سبحان ذي الجبروت والملكوت والكبرياء والعظمة": (پاک ہے وہ ذات جو غلبہ والا، بادشاہت والا اور عظمت والا ہے)۔ پھر آپ نے رکوع کے برابر سجدہ کیا، اور سجدہ میں بھی رکوع والی دعا کی۔ پھر آپ نے سورہ آل عمران کی، اور یکے بعد دیگرے کئی سورتوں کی تلاوت کی"۔(سنن نسائی: ۲۲۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت روزہ رکھا کرتے تھے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:"کسی مہینہ میں آپ روزہ نہیں رکھتے تھے، یہاں تک کہ ہمیں گمان ہوتا کہ آپ اس ماہ میں روزہ ہی نہیں رکھیں گے۔ اور جب روزہ رکھتے تو محسوس ہوتا کہ آپ روزہ بالکل ہی نہ چھوڑیں گے۔ آپ رات میں نماز بھی پڑھتے اور سوتے بھی"۔(صحیح بخاری: ۴۶) آپ پیر اور جمعرات کو روزہ رکھنے کی پوری کوشش کرتے۔ اور ان دونوں دن روزہ رکھنے کا سبب بھی آپ نے بتلایا:"پیر اور جمعرات کو اعمال (اللہ کے حضور) پیش کئے جاتے ہیں۔ اور میں چاہتا ہوں کہ میرے اعمال کی پیشگی روزہ کی حالت میں ہو"۔(صحیح سنن الترمذی: ۲۲۷)

آپ کے شب وروز کا کوئی لمحہ ایسا نہیں ہوتا جس میں آپ کا تعلق اللہ تعالی سے ٹوٹتا۔ سوتے جاگتے ہر حال میں عبادت میں مشغول ہوتے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ بلا وتر پڑھے سوتے ہیں؟ آپ نے جوابا عرض کیا: "اے عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل جگا رہتا ہے"۔(صحیح بخاری: ۲/۴۷/۴۸) اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں شامل ہے کہ آپ ہر وقت ذکر واذکار میں مصروف رہتے تھے۔ سوتے بھی تو یہ کہتے:"باسمك ربي وضعت جنبي وبك أرفعه ان أمسكت نفسي فارحمها وان أرسلتها فاحفظها بما تحفظ به عبادك الصالحين" (اے میرے رب میں نے تیرے نام کے ساتھ اپنا پہلو رکھا اور تیرے نام کے ساتھ ہی اسے اٹھاؤں گا، اگر تو میری جان کو روک لے تو اس پر رحم فرما، اور اگر تو نے اسے چھوڑ دیا، تو اس کی حفاظت اس طرح فرما جس طرح تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتا ہے"۔(صحیح بخاری: ۷/۱۴۹) جب نیند سے آپ بیدار ہوتے تو کہتے:"الحمد لله الذي احيانا بعدما أماتنا واليه النشور" (تمام تعریفات اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے)۔(صحیح بخاری: ۷/۱۴۷) عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات سونے سے قبل اپنی دونوں ہتھیلیوں کو اکٹھا کر کے سورہ اخلاص، سورہ فلق اور سورۃ الناس پڑھ کر ان پر پھونک مارتے۔ پھر سر، چہرے اور جسم کے سامنے سے شروع کرتے ہوئے سارے بدن پر پھیرتے اس طرح تین مرتبہ کرتے"۔(صحیح بخاری: ۶/۱۰۶) اللہ تعالی ہم سب کو کتاب وسنت کے مطابق عبادت کی توفیق بخشے۔(آمین) ☆☆

مولانا عبدالمنان شکراوی

حرص ولالچ کا مقابلہ ثابت قدمی سے

جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی تو چند لوگوں کے علاوہ سب آپ کے دشمن ہو گئے۔قبیلۂ قریش کے لوگوں نے تو مومنوں کو اسلام سے باز رکھنے کے لیے اپنے ترکش کے تمام تیر آزما ڈالے لیکن اس سے مسلمانوں کی خود اعتمادی اور ان کی ایمان کی مضبوطی میں مزید اضافہ ہوا۔اسی کی ترجمانی کرتے ہوئے قرآن کریم یوں گویا ہوا: هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّ تَسْلِيْمًا (الاحزاب:۲۲) ترجمہ:اسی کا وعدہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے دیا تھا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا اور اس (چیز) نے ان کے ایمان میں اور شیوۂ فرماں برداری میں اور اضافہ کر دیا۔''

قریش کی اس ستم رانی نے مسلمانوں کے عقیدے کو اور مضبوط کر دیا،دین اسلام کے لیے ان میں مزید حمیت اور کفر سے شدید نفرت پیدا کر دی۔ان کے جذبات خوب بھڑک گئے اور نفوس مزید پاک وصاف ہو گئے۔وہ ڈھلے ہوئے سونے اور صاف وشفاف چاندی کی طرح خالص بن گئے اور ہر آزمائش ومصیبت سے ایسے باہر نکل آئے جیسے تلوار صیقل ہو کر نکلتی ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے ذریعہ مسلمانوں کی روح کو غذا فراہم کرتے اور ان کی تربیت فرماتے تھے۔ان کے بدن کی پاکی وصفائی،دل کے خشوع وجسم کے خضوع اور سمجھ بوجھ کے رہتے ہوئے پانچ بار نماز کے ذریعہ رب العلمین کے حضور میں جھکنے کی تعلیم دیتے تھے۔اس طرح دن بدن ان کی روح کی بلندی،دل کی صفائی،اخلاق کی پاکیزگی میں اضافہ ہو رہا تھا اور مادیت کے تسلط سے آزاد ہو کر،شہوات نفسانی کا مقابلہ کرتے ہوئے زمین وآسمان کے پروردگار کی جانب کھچے چلے جاتے تھے۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بڑی ہی باریکی اور گہرائی سے ان کی تربیت فرماتے تھے۔ادھر قرآن کریم بھی انہیں بلندی عطا کر رہا تھا اور ان کے دلوں میں ایمان کی چنگاری کو ہوا دے رہا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محفلیں انہیں دین میں مضبوطی،نفسانی خواہشات سے کنارہ کشی اور رب ذوالجلال کی خوشنودی فراہم کر رہی تھیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس راہ میں اپنے آپ کو محو کئے ہوئے تھے۔مسلمانوں کو جنت کا اس قدر شوق تھا کہ دنیا چھوڑنے کا کچھ بھی غم نہ تھا۔شیطان کا حصہ ان کے جی سے نکل چکا تھا بلکہ ان کے اپنے جی کا حصہ ان کے جی سے نکل چکا تھا اور اس طرح وہ ایمان کے بلند ترین درجے پر فائز ہو گئے تھے۔تاریخ گواہ ہے کہ اس طرح کا ایمان انسان کی امانت،اس کی عفت وکرامت کا نگہبان بن گیا جو ہر قسم کے حرص ولالچ کے مقابلے میں اور ہر حال میں خلوت میں،جلوت میں اور وہاں بھی جہاں اللہ کے سوا اسے کوئی دیکھ نہیں سکتا اور وہاں بھی جہاں اس کا اثر ورسوخ ہے اور اسے کسی کا ڈر بھی نہیں نفس کو کنٹرول کرتا ہے۔

اسلامی تاریخ نے ان لوگوں کی عفت وپاکدامنی اور دنیاوی حرص ولالچ کے مقابلے میں ثابت قدمی کے کارناموں کو سنہرے حرفوں میں ریکارڈ کیا ہے۔امام طبری رحمہ اللہ نے فتح مدائن کے موقع پر مال غنیمت کی تقسیم کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک شخص ایک برتن لے کر آیا اور ذمہ دار شخص کے حوالے کر دیا تو وہاں جو لوگ تھے کہنے لگے ہم نے ایسا ایمان دار آدمی کبھی نہیں دیکھا۔ہمارے پاس جو سامان ہے وہ اس کے برابر کیا اس کے قریب قریب بھی نہیں ہے۔اس سے یہ بھی کہا: کیا تم نے اس میں سے کچھ لیا ہے؟ تو کہا: اللہ کی قسم اگر اللہ کا خوف نہ ہوتا تو اسے لیکر میں تمہارے پاس نہ آتا۔لوگوں کو اس کی ایمانداری پر بڑا تعجب ہوا اور محسوس کیا کہ یہ بڑا عظیم الشان آدمی ہے۔تو پوچھا: تم کون ہو؟ کہا: میں تمہیں اس لیے نہیں بتاؤں گا کہ تم میری تعریف کرنے لگو گے۔بلکہ تعریف کے لائق تو اللہ کی ذات ہے۔میں اس کی تعریف کرتا ہوں اور اس کے اجر وثواب سے خوش ہوں۔انہوں نے اس کی حقیقت جاننے کے لیے ایک آدمی کو اس کے پیچھے بھیجا جب وہ اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا تو دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ وہ عامر بن عبد قیس تھے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جب قادسیہ کی جنگ میں حاصل شدہ مال غنیمت کو عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تو انہوں نے اسے دیکھ کر کہا: لوگوں نے یہ مال امانتداروں کے حوالے کر دیا ہے۔یہ سنکر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ نے اپنے آپ کو ایسے مال سے بچا لیا تو آپ کی رعایا بھی بچ گئی،اگر آپ گل چھرے اڑاتے تو وہ بھی اڑاتی۔''اس سے بھی زیادہ تعجب خیز واقعہ وہ ہے جسے امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ میں نقل کیا ہے کہ جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مال غنیمت میں آئے کسریٰ کے کپڑوں اور خزانوں کو دیکھا تو فرمایا: اے اللہ! تو نے اپنے نبی کو تو ان سے محروم رکھا حالانکہ وہ تیرے نزدیک مجھ سے زیادہ مکرم ومعزز تھے اور مجھے دیکر احسان کیا لہٰذا میں تجھ سے اس بات کی پناہ چاہتا ہوں کہ تو مجھے انہیں دیکر میرے خلاف کوئی تدبیر کرے۔یہ کہہ کر رونے لگے یہاں تک جو لوگ آپ کے پاس تھے آپ کے لیے رحمت کی دعا کرنے لگے۔پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے فرمایا: شام ہونے سے پہلے پہلے اسے تقسیم کر دو۔

سخت حالات میں بھی ثابت قدمی: حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی دنیاوی حرص ولالچ کے سامنے ثابت قدمی کا قصہ دور دور تک پہنچ گیا۔ہمیں بھی اسے پوری توجہ سے سننا چاہیے جب وہ غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے۔وہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہم تین لوگ جو غزوہ سے پیچھے رہ گئے تھے سب سے بات کرنے سے منع فرمادیا۔فرماتے ہیں کہ لوگ ہم سے بات کرنے سے بچنے لگے اور ہمارے تئیں ان کا رویہ یکسر بدل گیا۔ہمیں ایسا لگا کہ یہ وہ زمین ہی نہیں ہے جس پر ہم اس سے پہلے رہ رہے تھے۔اسی طرح پچاس دن گزر گئے۔میرے دونوں ساتھی تو تھک ہار کر گھر میں بیٹھ کر روتے رہتے،لیکن میں ان کے مقابلے میں جوان بھی تھا اور طاقتور بھی،چنانچہ میں گھر سے نکلتا اور نماز میں حاضر ہوتا،بازاروں میں گھومتا پھرتا لیکن کوئی بھی مجھ سے بات نہ کرتا۔جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد بیٹھے ہوتے تو میں آپ کے پاس آکر سلام کرتا اور اپنے جی میں کہتا کہ کیا سلام کا جواب دیتے ہوئے آپ کے ہونٹ ہلے یا نہیں؟ پھر آپ کے قریب ہی میں نماز پڑھتا اور نظریں چرا کر آپ کو دیکھتا۔میں جب اپنی نماز میں مصروف ہوجاتا تو آپ میری طرف دیکھتے اور میں جب آپ کی جانب متوجہ ہوتا تو آپ منہ پھیر لیتے۔مسلمانوں کی یہ سختی جب طول پکڑ جاتی،میں چل کر اپنے چچازاد بھائی جو کہ مجھے بہت محبوب تھے ان کی دیوار پر چڑھ جاتا اور انہیں سلام کرتا لیکن اللہ کی قسم وہ بھی جواب نہ دیتے۔میں نے ان سے کہا:اے ابوقتادہ! میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں یہ بتاؤ کہ کیا میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت نہیں کرتا؟ یہ سن کر وہ چپ رہتے۔میں اپنی بات دہراتا،وہ پھر بھی خاموش رہتے۔بس اتنا کہتے:اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔یہ سن کر میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے۔اور وہاں سے پلٹ کر پھر دیوار پر چڑھ جاتا۔ایک موقعہ پر میں مدینے کے بازار میں پیدل جارہا تھا کہ کیا دیکھتا ہوں ایک نبطی جو شام سے غلہ بیچنے کی غرض سے مدینے آیا تھا کہہ رہا ہے: مجھے کعب بن مالک کا پتہ کون بتائے گا؟ تو لوگ اسے میری طرف اشارہ کرکے بتانے لگے۔چنانچہ وہ میرے پاس آیا اور اس نے مجھے غسان کے بادشاہ کا خط دیا جس میں لکھا تھا: مجھے خبر ملی ہے کہ تمہارے ساتھی (نبی) نے تمہارے ساتھ سختی کا معاملہ کیا ہے۔تمہیں اللہ نے اتنا ذلیل نہیں بنایا ہے کہ تم برباد ہوجاؤ۔لہٰذا ہمارے پاس چلے آؤ،ہم تمہاری غمگساری کریں گے۔میں نے سوچا کہ یہ تو ایک اور آزمائش ہے۔چنانچہ میں نے اسے تنور میں جلاڈالا۔(بخاری ومسلم)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے غسان کے بادشاہ کی اس پیشکش کو اللہ کی جانب سے آزمائش وامتحان سمجھ کر اس کا فوری حل یہ تلاش کیا کہ اسے فوری طور پر آگ کے حوالے کردیا۔ورنہ ہوسکتا تھا کہ شیطان وسوسے میں مبتلا کردیتا اور اسے ان کے لیے مصیبت کے حل کے طور پر پیش کرکے گمراہ کردیتا۔

صحابۂ کرام نے اس استقامت وثابت قدمی کا سبق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ ونمونہ سے سیکھا تھا۔جب ابوجہل نے قریش کے سرداروں کے سامنے کہا تھا کہ محمد کا معاملہ تو کنٹرول سے باہر ہوتا ہی جارہا ہے لہٰذا کوئی جادوگر،کاہن یا شاعر ڈھونڈو جو اس سے بات کرکے کوئی حل تلاش کرے۔تو عتبہ نے کہا تھا: میں نے جادو،کہانت اور شعر کو سنا ہے اور مجھے ان کی پوری معرفت وجانکاری حاصل ہے۔اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو وہ مجھ سے مخفی نہ رہتی۔اس کے بعد وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: اے محمد (ﷺ) آپ بہتر ہیں یا ہاشم؟ آپ بہتر ہیں یا عبدالمطلب؟ آپ بہتر ہیں یا عبداللہ؟ آپ ہمارے معبودوں کو کیوں برا بھلا اور باپ دادا کو گمراہ کہتے ہیں؟ اگر آپ کو سرداری چاہیے تو اپنا سردار بنالیتے ہیں۔اگر شادی کی خواہش ہے تو آپ کی پسند کی دس عورتوں سے آپ کی شادی کرادیتے ہیں۔مال کا ارادہ ہے تو اتنا زیادہ مال جمع کرکے آپ کو دیدیتے ہیں کہ آپ کی آنے والی کئی پشتوں سے بھی ختم نہ ہوگا۔عقبہ یہ سب باتیں کیے جارہے تھے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خاموش کھڑے سن رہے تھے۔جب عقبہ اپنی بات کہہ کر خاموش ہوگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی ان آیات کی تلاوت فرمائی: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. حٰمٓ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (فصلت:۱-۳)(شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔حم اتاری ہوئی ہے بڑے مہربان بہت رحم والے کی طرف سے۔(ایسی) کتاب ہے جس کی آیتوں کی واضح تفصیل کی گئی ہے۔(اس حال میں کہ) قرآن عربی زبان میں ہے اس قوم کے لیے جو جانتی ہے۔یہاں تک کہ آپ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ (فصلت:۱۳)(اب بھی یہ روگرداں ہوں تو کہہ دیجیے! کہ میں تمہیں اس کڑک (عذاب آسمانی) سے ڈراتا ہوں جو مثل عادیوں اور ثمودیوں کی کڑک کے ہوگی۔) تک تلاوت کرتے ہوئے پہنچے تو عتبہ نے آپ کے منہ پر ہاتھ رکھدیا اور رشتے کا واسطہ دے کر ٹھہرنے کو کہا۔

کفار مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بادشاہت،جاہ ومنصب،مال ودولت کا لالچ دیا ان کا گمان تھا کہ ان کی اس بھاری بھرکم پیشکش پر آپ لالچ میں آکر ان کی ہر بات قبول کرلیں گے۔انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں کہ ان کے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں پر چاند بھی رکھ دیں تب بھی رسالت کی ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کے لیے آمادہ نہ ہوں گے۔یہاں تک کہ اللہ ان کی مدد فرمائے یا اپنے فرض کی ادائیگی کی راہ میں جان جاں آفریں کے سپرد کردیں۔

آج ہمیں ایسی نسل کی ضرورت ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اقتدا وپیروی کرتے ہوئے اللہ پر کماحقہ ایمان لائے اور حق کے مقابلے میں خواہشات نفس،لوبھ لالچ ان کے پائے استقامت کو متزلزل نہ کرسکے۔وہ حرام کے پاس نہ پھٹکے،رشوت،چوری،خیانت سے دور رہے۔ایسی نسل جو دنیا کو دل میں نہ بسائے بلکہ ہاتھ میں رکھے تاکہ جب ضرورت پڑے اسے جھٹک سکے۔

☆☆

مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی

مولانا ابوالکلام آزاد اور فکر ولی اللّٰہی

الحمد لله والصلاة علی رسول الله محمد بن عبدالله خاتم الانبیاء وعلی آله الطیبین واصحابه الغرالمیامین ومن تبعهم باحسان الی یوم الدین اما بعد: اعوذ بالله من الشیطان الرجیم.

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا (الاحزاب:۲۳)

مولانا ابوالکلام آزاد جیسی عبقری اور عظیم شخصیت مدتوں بعد پیدا ہوتی ہے بلکہ زمانہ ان جیسا انسان پیش کرنے سے قاصر رہا ہے۔

مضت الدهور وما اتین بمثله
ولقد أتی (فان أتین) فعجزن عن نظرائه

مولانا آزاد وہ مرد خدا ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص کرم فرمایا تھا اور ہر طرح کی نعمتوں اور رحمتوں سے نوازا تھا۔ مولانا خاندانی اعتبار سے انتہائی نجابت وشرافت کے مالک تھے۔ ابوت وبنوت کی حیثیت سے نجیب الطرفین تھے اور معاشرے وسوسائٹی بلکہ ملک وملت میں آپ کے خانوادے اور خصوصاً آپ کے والد ماجد کا خاص مقام ومرتبہ تھا۔ یہاں اس امر کی وضاحت کا قطعاً موقع نہیں کہ وہ کس طور پر اور کیسے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق ومحبت کا ہی نتیجہ تھا کہ آپ سخت ترین خاندانی حصار مذہبیت ومسلکیت میں مقید ومحصور کردیئے جانے اور ہر طرح کی مذہبی بندشوں اور انتہائی پابندیوں کے باوجود اپنی خداداد فطری صلاحیتوں اور اللہ تعالیٰ کی عظیم توفیق اور اس کی رحمت والطاف وانعامات کے صلہ میں ان جکڑ بندیوں سے کیسے آزاد ہوئے اور کس طرح سے شاہراہ کتاب وسنت پر گامزن ہوئے اس پر سوائے اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ "ذلک فضل الله یوتیه من یشاء" یہ پوری تفصیل "آزاد کی کہانی مولانا آزاد کی زبانی" نامی کتاب اور "تذکرہ" کے چند صفحات پر مشتمل خودنوشت سوانح عمری میں دیکھی جاسکتی ہے۔

مولانا آزاد رحمہ اللہ رحمۃ واسعتاً اپنے زمانہ میں کئی حیثیتوں سے اپنے ہم عصروں میں منفرد وممتاز مقام رکھتے تھے۔ ان میں آپ کو سب سے نمایاں جو وصف وامتیاز حاصل تھا، وہ یہ تھا کہ انسان جب عہد طفولیت سے گزر کر عہد شباب کی طرف رواں دواں ہوتا ہے تو اس وقت اس کی شخصیت وعبقریت کا احساس دنیا کو ہوتا ہے اور دنیا ان تعلیمات وتجربات سے گزر کر ہی اسے کسی مقام ومرتبہ پر فائز کرتی ہے۔ مگر مولانا آزاد اس سے بالکل جداگانہ، یگانہ اور انتہائی فرزندانہ اپنے بچپنے ہی میں تھے جس کی مثالیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور خال خال بعض عظیم ترین شخصیات میں تاریخ کے جھروکے سے کبھی کبھی نظر آجاتی ہیں۔ ورنہ ایک نوخیز ونوجوان بلکہ عنفوان شباب میں زبان وبیان، صحافت وانشاء، تحقیق ودراسہ، علوم وفنون اور معقولات ومنقولات میں کامل دستگاہ اور انتہائی عمیق وراسخ علم کا ہونا بذات خود ایک کرامت اور کرشمہ معلوم ہوتا ہے۔ عہد طفولیت سے گزر کر عہد کہولت سے پہلے بلکہ بہت پہلے جبکہ انسان کی مسیں بھی بھیگی نہ ہوں پوری قوم کو انتہائی نامساعد حالات، استعمار کے انتہائی مظالم کے ایام اور قوم ہندوستان کے انتہائی سنگین وپرآشوب اوقات میں ایک اعلیٰ درجہ کے سن رسیدہ، زمانہ چشیدہ اور زمانہ کے نبض شناس کی حیثیت سے آفتاب سیاست بن کر طلوع ہونا اور عین جوانی بلکہ نوجوانی میں افق ہند بلکہ عالم پر چھا جانا بلکہ پوری قوم کو اپنے اذان بلالی اور بانگ درا وسحر بیانی سے بیدار وچوکنا کردینا صرف اور صرف کسی توفیق الٰہی سے موفق ومسعود بندے ہی کا کام ہوسکتا ہے، ورنہ انسان کے بس کی بات نہیں۔

کیا کبھی آپ نے غور کیا ہے کہ اس وقت ہندوستان کہاں تھا؟ ہندوستان کے حالات کیا تھے؟ اور ہندوستانی کہاں تھے؟ اور مسلمان اور ان کی مسلمانی کہاں چلی گئی تھی؟ وہ انسانوں کا ایک گلہ تھا، ایک انبوہ تھا، بلکہ بھیڑ کا وہ جتھا تھا جو اپنی چال چلنے بلکہ موت کے منہ میں جانے کے لئے بطور مثل مشہور ہے۔ یہ تو بیداری کا حال ہے بلکہ حال زار ہے ورنہ اس قوم کا شمار زندہ اقوام میں نہیں کیا جاسکتا، زندگی کی کوئی رمق کسی سطح پر باقی نہ تھی، اس کے لئے کسی مرد "حر" کی ضرورت تھی جو "البلاغ" کا فریضہ انجام دے اور "الہلال" بن کر روشنی کے منارۂ عظیم پر کھڑا کردے اور زمین کو بقعۂ نور بنادے، یا خنجر ہلال کو قومی نشان کے طور پر قوم وملت کو عطا کردے اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک نیم جان بلکہ بے جان مردہ قوم کے جسم میں روح پھونک دے اور دیگر اقوام عالم کے شانہ بشانہ اسے کھڑا ہوجانے کا حوصلہ بخش دے۔ بلکہ اس استعماری ظلم وبربریت کے صلہ میں ایک دہشت زدہ اور مغلوب ومرعوب قوم کو یہی نہیں کہ جینے کا حوصلہ، اٹھنے کی سکت اور چلنے کی قوت عطا کرے بلکہ باذن اللہ وتوفیقہ وعونہ اس کے تن مردہ میں روح انسانی وایمانی پھونک کر ایک ایک کو زندہ قوم کی طرح باعزت زندگی جینے کے

لئے تیار کردے۔ مولانا کے اندر یہ ساری صلاحیتیں ودیعت کردی گئی تھیں اور ایسا کرنا انہی کے بس کی بات تھی۔

مولانا آزاد ایک عملی اور مثالی انسان تھے۔ زبان وبیان کی اثر آفرینی، شخصیت کی ظاہری وباطنی معنویت، ہیبت وعظمت، تقدس اور سحر بیانی اور قلم کے جادو اور جوت جگانے سے قطع نظر وہ میدان عمل اور معرکہ حیات میں ہمیشہ مقدمۃ الجیش کے سرخیل اور سربراہ رہے۔ خصوصاً ان معرکوں میں جن میں وقت کے بڑے بڑے سورما اور سیاست کے بڑے بڑے ماہرین اور چیتے کا جگر رکھنے والے، بہادر وبطل جلیل، تردد ومصلحت اور احتیاط وخطرات نفس کا شکار ہوئے تو آپ بے باکانہ اور مردانہ وار مگر پوری فراست اور قوت سے اس میں بے دھڑک کود پڑے۔ کانگریس کی صدارت کے وہ انتہائی ہولناک، حوصلہ شکن اور ہوش ربا ایام جس میں انہوں نے عملاً کام کیا اور اس سے ان کی تبحر علمی، بصیرت، ژرف نگاہی اور فکر ونظر کی پختگی کا پتہ چلتا ہے، یہی وجہ ہے کہ دوست اور دشمن سب اس کے معترف ہی نہیں بلکہ مداح وثناخواں ہیں۔

مولانا آزاد رحمہ اللہ عقیدہ وایمانیات، دینیات واسلامیات، شریعت واحکام، تاریخ وفلسفہ، علوم کتاب وسنت، فقہ وفتاوی، اصول وفروع، علوم وفنون، معقولات ومنقولات، فلکیات وطبیعات غرضیکہ تمام علوم ومعارف کے بحر ناپیدا کنار کے شناور بلکہ ان سب کے امین، ان کے اسرار ورموز کے صرف ماہر اور رازداں ہی نہیں بلکہ سب کے پاسبان بھی تھے۔ جب ان کی شخصیت کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو کبھی کبھی ایسا لگتا ہے کہ وہ وقت کا سب سے بڑا محدث ہے، سب سے بڑا مفسر ہے اور اس کے علاوہ کوئی اس کا مرد میداں نہیں۔ اور یہی حال تمام میدانوں کا ہے۔

مولانا آزاد سے متعلق بات یہیں روک کر تھوڑی دیر کے لیے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی طرف آتے ہیں اور ان کے افکار پر ان ہی کی تحریروں کی روشنی میں سرسری نظر ڈالتے ہیں۔

حجۃ الاسلام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے جس دور میں آنکھیں کھولیں وہ انتہائی سنگین، جہالت ولاعلمی اور غلط رسوم ورواج کا دور تھا۔ اس زمانے میں جس طرح شاہ صاحب نے معاشرے کی اخلاقی اور فکری آلودگیوں کو دور کرنے اور مذہب اسلام کو جمود وتعصب کی خاص بندشوں سے آزاد کرانے میں جدوجہد کی بعینہ مولانا ابوالکلام آزادؒ نے عہد طفولیت ہی میں مشرکانہ عقائد وبدعات سے بیزاری کا اظہار کردیا، اور تحقیق وجستجو کی راہ اختیار کرلی۔ شاہ صاحب سے مولانا کو گہری عقیدت تھی، فکر ولی اللہی سے ان کی ہم آہنگی محض اس بنا پر نظر آتی ہے کہ جس طرح شاہ صاحب نے عقائد باطلہ اور اوہام فاسدہ کے استیصال اور جمود وتعطل اور ہر طرح سے ذہنی وجسمانی وملی وملکی غلامی کی جکڑ بندیوں سے گلوخلاصی کی راہ سجھائی، اس باب میں بہت ساری کتابیں تصنیف کیں، قرآن وحدیث کے شیدائی بنے، گھسے پٹے درس نظامی سے بیزاری ظاہر کی، اس طرح کے طریقہ تدریس کو بے سود قرار دیا، حدیث وائمہ حدیث سے گہری محبت وعقیدت کا اظہار کیا۔ شاہ صاحب کی پوری زندگی اس کی تصدیق کرتی ہے کہ حدیث شریف کی تشریح وتفہیم، تدریس وتعلیم اور اشاعت وتفہیم میں مصروف رہنے کے ساتھ سیاست وقیادت کی گتھیوں کو کتاب وسنت کی روشنی میں سلجھانے کا گر سکھاتے تھے۔ بعینہ ابوالکلام آزادؒ کی زندگی میں وہی افکار دکھائی دیتے ہیں اور بہت حد تک فکر ولی اللہی کا پرتو ان کی زندگی میں نظر آتا ہے۔

شاہ صاحب ہندوستان میں تحریک تجدید احیائے دین وملت کے بانی وعلمبردار تھے اور ہندوستان کی زوال پذیر مغلیہ حکومت کے سلسلہ میں فکرمند تھے اور خارجی اور داخلی سطح پر ملک وملت کو درپیش خطرات سے انتہائی غمگین مگر اس کے ازالہ کے لیے کوشاں تھے۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ اس تحریک کے علمبردار وہی اشخاص ہوا کرتے ہیں جن میں اللہ تعالی تصنیف وتالیف کے ساتھ کتاب وسنت سے خالص شیفتگی پیدا کردے۔ فطری طور پر وہی شخص دین خالص کے لیے اور کتاب وسنت کے فروغ کے لیے ہر طرح کی قربانیاں پیش کرسکتا ہے اور استقامت کی راہ اپنا سکتا ہے، دین کے اصل منبع کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ایسے لوگوں کا قلبی لگاؤ ہوتا ہے۔ ان کا ہر عمل قرآن وحدیث کے قالب میں ڈھلا ہوتا ہے۔ ارباب دعوت وعزیمت وہی عہد ساز شخصیتیں رہی ہیں جن کی زندگی کا حاصل ہی کتاب وسنت کی اتباع وپیروی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ جب حرمین سے قرآن وحدیث کے فیض سے مالا مال ہوکر اپنے والد کے قائم کردہ مندر حیمیہ پر مسند نشیں ہوئے تو اشاعت حدیث اور معارف سنت میں ہمہ تن مصروف ہوئے۔ وہ تشنگان علوم حدیث کا عظیم مرکز قرار پایا اور پورا ہندوستان ان کے اردگرد پروانہ وار حلقہ بنا کر قرآن وحدیث کے اکتساب میں محو ہوگیا۔ شاہ صاحب نے اعتقادی، دینی، اخلاقی اور سیاسی صورتحال کا ہر اعتبار سے جائزہ لیا اور اپنی بصیرت وتبحر علمی کے ذریعہ ان پر گہرا اثر ڈالا، ان کی اصلاح وتجدید میں بھرپور سعی کی۔

شاہ صاحب کے افکار حجۃ اللہ البالغہ :ص ۲۱ کی درج ذیل عبارت سے ہی واضح ہوجاتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

''ان عمدة العلوم اليقينية وراسها ومبنى الفنون الدينية واساسها هو علم الحديث الذى يذكر فيه ما صدر عن افضل المرسلين صلى الله عليه وسلم واصحابه اجمعين من قول او فعل اوتقرير فهى مصابيح الدجى ومعالم الهدى وبمنزلة البدر المنير، من انقاد لها ووعى فقد رشد واهتدى، واوتى الخير الكثير ومن اعرض وتولى

فقد غوی وھو مازاد نفسه الا التخسیر فانه صلی الله علیه وسلم نهی وأمروانذر وبشر وضرب الامثال وذکر وانها مثل القرآن او اکثر''۔

ترجمہ: علوم یقینیہ کا معتمد سرمایہ واصل اور دینی فنون کی بنیاد واساس علم حدیث ہے۔ جس میں افضل المرسلین ﷺ کے قول وفعل یا کسی مسئلہ پر ان کی رضامندی وسکوت کا بیان ہوتا ہے، اس لیے یہ حدیثیں ظلمت میں روشن چراغ، رشد وہدایت کا سنگ میل اور بدر کامل کا درجہ رکھتی ہیں۔ جو شخص ان پر عامل ہوگا اور ان کی پاسبانی کرے گا وہ ہدایت یاب اور بہت ساری بھلائیوں سے فیض یاب ہوگا، جو بدبخت اس سے اعراض کرے گا، اور منہ پھیرے گا، وہ گمراہ ہوگا اور وہ اپنا ہی نقصان کرے گا، اس لیے کہ محمد ﷺ کی حیات طیبہ امر ونہی، انداز وتبشیر، اور نصیحت وتذکیر سے عبارت ہے۔ آپ کی حدیثوں میں یہ چیزیں قرآن ہی کی طرح سے اس مقدار میں کچھ زیادہ ہی ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے قرآن کریم اور حدیث رسولؐ سے گہرا شغف رکھا۔ قرآن کریم کی تفہیم کے لیے فارسی ترجمہ پر توجہ دی، اس کی وجہ سے ان کے اوپر متعدد بار قاتلانہ حملہ ہوا۔ حدیث کی نشر واشاعت میں پیش پیش رہے اور اپنی نجات کا ذریعہ قرآن وحدیث سے وابستگی ہی کو جانا، اس لیے پوری زندگی قرآن وحدیث سے گہری وابستگی اختیار کرنے کی عوام الناس کو تلقین کرتے رہے، معاشرہ سے رسوم وبدعات کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ اس بات کا برملا اعلان کرتے رہے کہ قرآن وحدیث ہی ایسے معیار ہیں جن میں حق وباطل، جھوٹ اور سچ، صحیح اور غلط کی پرکھ ہوسکتی ہے، افراط وتفریط اور غلو ومبالغہ سے بچا جاسکتا ہے۔ فقہاء کے اجتہادات سے جو چیز کتاب وسنت کے موافق ہو اسے تسلیم کیا جائے اور جو متصادم ہو اسے ترک کردیا جائے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے منادی وداعی اور حامی زندگی بھر تقلید وجمود کے خلاف رہے۔

شاہ صاحب نے وصیت نامہ ص۳۷۲ میں کتنی واضح بات بیان فرمائی ہے:

''فروعی مسائل میں ایسے علماء اور محدثین کی پیروی کرنا چاہیے جو فقہ اور حدیث دونوں کے عالم ہوں۔ مسائل فقہ کو کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ سے ملاتے رہنا چاہیے۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں: ''امت کے لیے قیاسی مسائل کا کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ سے تقابل کرتے رہنا ضروری ہے اس سے کبھی بے نیازی نہیں ہوسکتی۔''

مولانا آزادؒ کا فکر ولی اللہی سے اتنا گہرا ربط وتعلق تھا کہ جب ارباب دعوت وعزیمت کا ذکر جمیل کرتے تو شاہ ولی اللہؒ کا تذکرہ ضرور کرتے، اس سے متعلق باتیں کرنے سے پہلے ایک نظر ''تذکرہ'' کی عبارت پر ڈال لی جائے تو بہتر ہوگا۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ لکھتے ہیں:

''بارہویں صدی کا ایک عظیم ترین ظہور علوم ومعارف دیکھو۔ زمین بنجر ہوچلی تھی، پھر بھی کھیتوں کی سبزی اور چمنوں کی لالی سے کوئی گوشہ بالکل خالی نہ تھا۔ تیرہویں صدی کے تمام کاروبار علم وطریقت کے اکابر واساتذہ اسی صدی میں سربرآوردہ ہوئے۔ بعض بڑے بڑے سلاسل درس وتدریس کی بنیادیں اسی میں استوار ہوئیں۔ جیسے خاندان مشہور فرنگی محل اور ہندوستان سے باہر بلاد عربیہ وعثمانیہ میں اکثر مشاہیر علم وارشاد، جیسے شیخ ابراہیم کورانی، محمد بن احمد سفارینی النجدی، سید عبدالقادر کوکبانی، شیخ عمر فاسی تیونسی، شیخ سالم بصری، امیر محمد بن اسماعیل یمانی، شیخ عبدالخالق زبیدی، علامہ فلانی صاحب ایقاظ، شیخ محمد حیات سندھی المدنی وغیرہم کہ شاہراہ عام سے اپنی راہ الگ رکھتے تھے اور حقیقت مستورہ کے شناسا وحق آگاہ تھے۔ بایں ہمہ معلوم ہے کہ وہ جو دورہ آخر کے فاتح اور سلطان عصر ہونے کا مقام تھا اور قطبیت وقت کا، وہ صرف حجۃ الاسلام شاہ ولی اللہ (رضی اللہ عنہ) ہی کے لیے تھا۔ اور لوگ بھی بیکار نہ رہے، کام کرتے رہے، مگر جو کام یہاں انجام پایا وہ صرف یہیں کے لیے تھا۔

فیضی احسنت ازیں عشق کہ دوراں امروز
گرم دارد زتو ہنگامۂ رسوائی را

(تذکرہ:۲۶۷-۲۶۸)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے بارے میں یہ معلوم ہے کہ جو احیائے تجدید دین وملت اور ملک وانسانیت اور وطن کا کام شاہ ولی اللہؒ اور ان کے نامور فرزندان انجام دے رہے تھے ان سب کا علمی وعملی نمونہ اور عصارو نچوڑ آپ کے پوتے حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ تھے۔ بلکہ شاہ صاحب کی پوری زندگی اور ان کے علوم ومعارف اور افکار کا عملی نمونہ شاہ اسماعیل شہیدؒ تھے۔ اور مولانا ابوالکلام آزادؒ ان سب کے خوشہ چیں ہی نہیں بلکہ علمی نمونہ پوری زندگی بنے رہے۔ اس لیے شاہ اسماعیل شہیدؒ کے کارناموں کو یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:

''اور پھر چند قدم اور آگے بڑھو۔ مقام عزیمت دعوت کی کیسی کامل اور آشکارا مثال سامنے آتی ہے۔ ساری مثالوں سے آنکھیں بند کرلو۔ صرف یہی ایک مثال زیر بحث حقیقت کے فہم وکشف کے لیے کافی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کا مقام ہر رنگ میں کس درجہ جامع وکامل ہے۔ بایں ہمہ جو کچھ یہاں ہوا، تجدید وتدوین علوم ومعارف اور تعلیم وتربیت اصحاب استعداد تک محدود رہا۔ اس سے آگے نہ بڑھ سکا۔ فعلاً عمل ونفاذ اور ظہور وشیوع کا پورا کام تو کسی دوسرے ہی مرد میدان کا منتظر تھا۔ اور معلوم ہے کہ توفیق الٰہی نے یہ معاملہ صرف حضرت علامہ ومجدد شہید رضی اللہ عنہ کے لیے مخصوص کردیا تھا۔ خود حضرت شاہ صاحب کا بھی اس میں حصہ نہ تھا۔

می خواست رست خیز ز عالم برآورد
آں باغباں کہ تربیت ایں نہال کرد

اگر خود شاہ صاحب بھی اس وقت ہوتے، تو انہی کے جھنڈے کے نیچے نظر آتے۔ حضرت پیر انصاری کا قول یاد رہے۔ ’’من مرید خرقانی ام لیکن اگر خرقانی دریں وقت می بود باوجود پیریش مریدی می کرد‘‘، شاہ صاحب نے مزاج وقت کے عدم تحمل واستعداد سے مجبور ہو کر بحکم۔

به رمز نکته ادامی کنم که خلوتیاں
سرسبو بکشادند ودر فرو بستند

دعوت واصلاح امت کے جو بھید پرانی دہلی کے کھنڈروں اور کوٹلہ کے حجروں میں دفن کردیئے گئے تھے، اب اس سلطان وقت واسکندر عزم کی بدولت شاہجہان آباد کے بازاروں اور جامع مسجد کی سیڑھیوں پر ان کا ہنگامہ مچ گیا، اور ہندوستان کے کناروں سے بھی گزر کر نہیں معلوم کہاں کہاں تک چرچے اور افسانے پھیل گئے۔ جن باتوں کے کہنے کی بڑوں بڑوں کو بند حجروں کے اندر بھی تاب نہ تھی، وہ اب برسر بازار کی جارہی اور ہورہی تھیں۔ اور خون شہادت کے چھینٹے حرف وحکایات کو نقوش وسواد بنا کر صفحہ عالم پر ثبت کررہے تھے:

آخر تو لائیں گے کوئی آفت فغاں سے ہم
حجت تمام کرتے ہیں آج آسماں سے ہم‘‘

مولانا مزید فرماتے ہیں:

پھر کیا اس وقت ہندوستان علم وعمل سے خالی ہوگیا تھا؟ یا حق پر چلنے والے حق کا درد رکھنے والے معدوم ہوگئے تھے؟ کون ہے جو ایسا کہہ سکتا ہے؟ خود اسی خاندان عالی میں کیسے کیسے اکابر واساتذہ علم وعمل موجود تھے؟ حضرت شاہ عبدالعزیز کے درس وتدریس کی پادشاہت سمرقند و بخارا اور مصر وشام تک پھیلی ہوئی تھی۔ شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین علم وعمل کے آفتاب تھے۔ خاندان سے باہر اگر ان کے تربیت یافتوں کو دیکھا جائے تو کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جہاں ان کا فیضان علم کام نہ کررہا ہو۔ بایں ہمہ یہ کیا معاملہ ہے کہ وہ جو وقت کا ایک سب سے بڑا کام تھا اس کے لیے کسی کے قدم کو جنبش نہ ہوئی۔ سب دوسرے دوسرے کاموں میں رہ گئے۔ یا حجروں کا کام کیا یا مدرسوں کا، لیکن میدان والا معاملہ کسی سے بھی بن نہ آیا۔ وہ گویا ایک خاص پہناوا تھا، جو صرف ایک ہی جسم کے لیے تھا، اور ایک ہی پر چست آیا۔ دنیا اس کے لیے خلعت عظمت اور تشریف قبول کاندھے پر ڈالے منتظر کھڑی تھی۔ زمانہ اپنے سارے سامانوں کے ساتھ کب سے اس کی راہ تک رہا تھا۔ امیدواروں پر امیدوار یکے بعد دیگرے گزرتے رہے، مگر اس کا مستحق کوئی نہ نکلا:

بار غم او عرض بہر کس کہ نمودم
عاجز شد وایں قرعہ بنامم ز سر افتاد

تو یہ وہی حقیقت ہے جو کتنی دیر سے تمہارے ذہن نشین کررہا ہوں یعنی اس وادی کا مرد کار ہر صاحب علم وعمل نہیں ہوسکتا۔

مرد ایں رہ را نشانے دیگر ست

استادی وشاگردی، نوعمری وکہولت، خانقاہوں کی دھوم دھام، اور مدرسوں کا ہنگامہ، یہ ساری باتیں یہاں کے لیے بیکار ہیں۔ ان سارے عہدوں میں دیکھو۔ باعتبار علم وعمل ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر موجود تھا۔ اور بقدر طاقت دعوت وتذکیر وارشاد خلق میں ساعی، تاہم دعوت دوسری چیز ہے اور عزیمت دعوت کا مقام دوسرا ہے۔ اس کی ہمت کسی میں نہ تھی۔ گڑھیوں کا محاصرہ کرلینا آسان ہے، مگر قلعوں اور ملکوں کی تسخیر کی دھن دوسری ہے۔ ایک شخص کتنا ہی بڑا امیر الامراء ہو لیکن پھر امیر ہے۔ پادشاہوں کا عزم اور محل شاہی میں پلے ہوؤں کا دماغ کہاں سے لاسکتا ہے۔

نہ ہر کہ طرف کلہ کج نہاد و تند نشست
کلاہ داری وآئین سروری داند

بڑوں بڑوں کا عذر یہ ہوتا ہے کہ وقت ساتھ نہیں دیتا اور سروسامان واسباب کار فراہم نہیں۔ لیکن وقت کا عازم وفاتح اٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر وقت ساتھ نہیں دیتا تو میں اس کا ساتھ لوں گا۔ اگر سروسامان نہیں، تو اپنے ہاتھوں سے تیار کرلوں گا، اگر زمین موافق نہیں تو آسمان کو اترنا چاہیے۔ اگر آدمی نہیں ملتے، تو فرشتوں کو ساتھ دینا چاہیے۔ اگر انسانوں کی زبانیں گونگی ہوگئی ہیں، تو پتھروں کو چیخنا چاہیے۔ اگر ساتھ چلنے والے نہیں، تو کیا مضائقہ! درختوں کو دوڑنا چاہیے۔ اگر دشمن بیشمار ہیں، تو آسمان کی بجلیوں کی بھی کوئی گنتی نہیں، اگر رکاوٹیں اور مشکلیں بہت ہیں، تو پہاڑوں اور طوفانوں کو کیا ہوگیا کہ راہ صاف نہیں کرتے؟ وہ زمانہ کا مخلوق نہیں ہوتا کہ زمانہ اس سے اپنی چاکری کرائے۔ وہ وقت کا خالق اور عہد کا پالنے والا ہوتا ہے، اور زمانے کے حکموں پر نہیں چلتا، بلکہ زمانہ آتا ہے، تاکہ اس کی جنبش لب کا انتظار کرے۔ وہ دنیا پر اس لیے نظر نہیں ڈالتا کہ کیا کیا ہے، جس سے دامن بھرلوں، وہ یہ دیکھنے کے لیے آتا ہے کہ کیا نہیں ہے، جس کو پورا کروں۔ اس کا مایہ خمیر بخشش ونوال ہے، طلب وسوال نہیں۔ اس کی نظریں طاق کی بلندی نہیں ناپتیں، ہمیشہ اپنے ہاتھ کی رسائی اور قد کی بلندی دیکھتی رہتی ہیں۔ اس کا فغان عجز وناامیدی یہ نہیں ہوتا۔

کمند کوتہ و بازوے ست و بام بلند
بمن حوالہ ونومید یم گنہ گیرند

بلکہ ہمیشہ اس نشہ کامرانی ورجزیہ ملوکی سے غلغلہ انداز عالم وعالمیان ہوتا ہے

کما قال القاضی السعید بن سناء الملک رحمة الله علیه:

وانک عبدی یا زمان، وانی
علی الرغم متی ان اری لک سیدا

وما انا راض انني واطئي الثرى
ولي همة لا ترتضي الافق مقعدا
ولو علمت زهر النجوم مكانتي
لخرت جميعا نحو وجهي سجدا
اری الخلق دوني اذار آني فوقهم
ذكاء وعلما واعتلاء وسوددا
ويأبى ابائي ان يراني قاعدا
واني اری كل البرية مقعدا
ولو مد نحوي حادث الدهر كفه
لحدثت نفسي ان امد له يدا

ستاروں سے تمام فضائے سمائی بھری پڑی ہے، لیکن دمدار ستارے ہمیشہ طلوع نہیں ہوتے، یہی حال اصحاب عزائم کا بھی ہے، وہ کائنات ہستی کا ایک بالکل الگ گوشہ ہے اور وہاں کے احکام وقوانین کو دنیا کے اعمال عادیہ پر قیاس کرنا غلطی ہے۔ ان کی قوتیں لامتناہی، ان کے وسائل غیر ختم، ان کی ترقیاں لازوال، اور ان کے تمام طریقے غیر مختتم ہوتے ہیں۔ اللہ کی حکمت وربوبیت ان کو تمام خلق اللہ میں چن لیتی اور بحکم "واللہ یختص برحمۃ من یشاء" اپنی رحمتوں اور ربوبیتوں کے عجائب وخوارق ان کے لیے مخصوص کر دیتی ہے۔ پھر ان کے معاملات میں نہ تو کسی دوسرے کا ساجھا ہوتا ہے نہ کسی مدعی کی وہاں تک رسائی۔

اولئک قوم لما دعوا اجيبوا، ولما اجيبوا احبوا، ولما احبوا اخلصوا، ولما اخلصوا استخلصوا، صدقت منهم الضمائر فصفت منهم السرائر، وصاروا صفوة الله في ارضه، ففاضت عليهم انواره، وامتلاء ت قلوبهم من اسراره"۔

الا ان وادی الجزع اضحی ترابه
من المسک کافورا واعواده رندا
وما ذلک الا، ان هندا عشية
تمشت، وجرت في جوانبه بردا

فلا تجهد نفسک في کشف مراتبهم، وذوق حقائقهم، حتی تتصل منهم بسبب، وتمسک من هديهم بطرف، فلسان حالهم ينشدک:

وکم سائل عن سر ليلی رددته
بعمياء من ليلی بعين يقين
يقولون خبرنا فانت امينهم
وما انا ان خبرتهم بامين

مقام "عزیمت دعوت" اور "احیاء وتجدید امت" کی نسبت یہ جو کچھ بلاقصد زبان قلم پر آ گیا تو اگرچہ اس کی تفصیل کا یہ موقع نہ تھا، لیکن زیادہ تر یہ خیال باعث ہوا کہ شاید ان حالات ووقائع کا مطالعہ اصحاب صلاح واستعداد کے لیے کچھ سودمند علم وعمل ہو، اور بحکم "ان لم تبکوا فتباکوا" اور

فتشبهوا ان لم تكونوا مثلهم
ان التشبة بالكرام كرام

کسی کے قلب بصیرت ودیدہ اعتبار کو ان مجددین ملت اور مصلحین حق کے اتباع وتشبہ کی توفیق ملے۔ شاید کوئی مرد کار اور صاحب عزم وقت کی پکار پر لبیک کہے اور زمانے کی طلب وجستجو کا سراغ بنے۔ آج اگر کام ہے تو یہی کام ہے اور ڈھونڈھ ہے تو صرف اسی کی۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔ (تذکرہ: ص: ۲۷۰، ۲۷۴، ابو الکلام آزاد)

اگر بغور دیکھا جائے تو یہ برملا کہنا پڑے گا کہ جس طرح شاہ صاحب فکر محدثین کے علمبردار، مشن محدثین کے نقیب وترجمان، اجتہاد کے دروازے کو ہمیشہ وا رکھنے کے حامی، متمسک بالسنہ، بدعات ومنکرات سے نفور، توحید وسنت کے ترجمان، تقلید جامد سے بیزار، ائمہ اربعہ ودیگر مجتہدین کرام اور رحمہم اللہ سے استفادہ کے قائل، تحقیق وتفتیش کے داعی، اتحاد امت کے قدردان، تعلیمات کتاب وسنت کے مبلغ، تحقیق وتدقیق، علم وآگہی اور کتاب وسنت کے پرچارک تھے۔ بعینہ مولانا ابوالکلام آزادؒ میں یہ جملہ اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے۔ شاہ ولی اللہ کے افکار وخیالات سے حد درجہ ہم آہنگی وارتباط نظر آتا ہے اور یہ چیز مولانا ابوالکلام آزادؒ کی تحریروں سے بھی نمایاں ہوتی ہے، ان کی تحریروں کی روشنی میں قارئین یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ان کے عقائد وافکار اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے افکار میں کس قدر یکسانیت ہے"۔ (تحریک اہلحدیث تاریخ کے آئینے میں؛ ص: ۲۰۷)

مولانا ابوالکلام آزادؒ نے اپنے افکار کے سلسلے میں خود لکھا ہے:

"میری تعلیم خاندان کے موروثی عقائد کے خلاف نہ تھی کہ اس راہ سے کوئی کشمکش پیدا ہوتی، وہ سرتا سر اسی رنگ میں ڈوبی ہوئی تھی، جو موثرات نسل اور خاندان نے مہیا کر دیے تھے، تعلیم نے انہیں اور زیادہ تیز کرنا چاہا اور گرد وپیش نے انہیں اور زیادہ سہارے دیے، تاہم یہ کیا بات ہے کہ شک کا سب سے پہلا کانٹا جو خود بخود دل میں چبھا، وہ اسی تقلید کے خلاف تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ کیوں، مگر بار بار یہی سوال سامنے ابھرنے لگا تھا کہ اعتقاد کی بنیاد علم ونظر پر ہونی چاہئے، تقلید اور توارث پر کیوں ہو۔ یہ گویا دیوار کی بنیادی اینٹوں کا ہل جانا تھا۔ کیوں کہ موروثی اور روایتی عقائد کی پوری دیوار صرف تقلید ہی کی بنیادوں پر استوار ہوتی ہے، جب بنیاد ہل گئی تو پھر دیوار کب کھڑی رہ سکتی تھی۔ کچھ دنوں تک طبیعت کی درماندگیاں سہارے دیتی رہیں، لیکن

بہت جلد معلوم ہوگیا کہ اب کوئی سہارا بھی گرتی ہوئی دیوار کو سنبھال نہیں سکتا:

ازاں کہ پیروی خلق گمرہی آرد

نمی رویم برا ہے کہ کارواں رفت است

شک کی یہی چبھن تھی جو تمام آنے والے یقینوں کے لیے دلیل راہ بنی۔ بلاشبہ اس نے پچھلے سرمایوں سے تہی دست کر دیا تھا، مگر نئے سرمایوں کے حصول کی لگن بھی لگادی تھی اور بالآخر اسی کی رہنمائی کی تھی جس نے یقین اور طمانیت کی منزل مقصود تک پہنچا دیا، گویا جس علت نے بیمار کیا تھا وہ بالآخر داروئے شفا بھی ثابت ہوئی۔

درد ہا دادی و درمانی ہنوز (غبار خاطر: ۱۰۲، ۱۰۳)

الغرض مولانا فکر و مسلک ولی اللّٰہی اور معارف و علوم ولی اللّٰہی کے خوشہ چیں اور اس کے امین تھے اور تقریباً ہر میدان میں ان سے اور ان کے خانوادے اور تمام مجددین امت اور فقہائے اہل سنت سے کتاب و سنت کی روشنی اور کسوٹی کی بنیاد پر مستفید و مفید خاص و عام ہوئے۔ اور بلاشبہ پوری ملت اسلامیہ ہندیہ اور ہندوستانیوں بلکہ پورے عالم کے لیے مثالی اور مرد کامل کی حیثیت سے زندگی گزار کر یوں گئے کہ ہر مجلس اور ہر مقام پر آپ کا تذکرہ جمیل جلال ہوتا رہے گا اور انجمن آرائی ہوتی رہے گی۔ اور من اشعر الشعراء العرب جریر سے یہ کلمات مستعار لیتے رہنا ہوگا۔

اولئک آبائی فجئنی بمثلھم

اذا جمعتنا یا جریر المجامع

تفسیر و علوم قرآن میں وہ ید طولیٰ رکھتا ہے جس میں اس کا کوئی ہمسر تو دور کی بات ہے وہ نکات آفرینی اسی پر ختم ہے۔ تاریخ کا امام اعظم ہے۔ اور ہر طرح کے رطب و یابس سے بھی پاک ہے بلکہ کھرے کھوٹے میں تمیز کرنے میں زمانے کا استاذ ہے۔ ہر فن کا جانکار و ماہر ہی نہیں اس فن کے جملہ مداخل و مظاہر اور اسرار و حقائق سے پردہ اٹھانے میں اتھارٹی اور بے مثل ہے۔ علماء کی قدردانی اور ان کی ہر طرح کی عزت و توقیر اور تکریم کے ساتھ اس راہ کی ساری بے راہ رویوں اور بے ضابطگیوں اور بد احتیاطیوں اور ہوا و ہوس رانیوں سے اپنے خاص علمی طنطنے سے پردہ اٹھاتا ہے۔ اور وقت کے بڑے بڑے علمی اسکندر اعظم اور ہفت خواں کو جرأت گویائی نہیں ہوئی۔

خلاصہ کلام یہ کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنے دور میں جس طرح حدیث و علوم حدیث، قرآن اور علوم قرآن کی ترویج و اشاعت میں جد و جہد صرف کی، اپنی تحریروں کے ذریعہ جس طرح تقلیدی جکڑ بندیوں کا استیصال کیا اور قرآن و سنت رسول ﷺ سے حد درجہ لگاؤ رکھا بعینہ مولانا ابوالکلام بھی اسی افکار ولی اللّٰہی کے عملا ترجمان بنے رہے اور ہر لحہ قرآن کے ترجمہ و تفسیر کے ذریعہ خادم کتاب و سنت کا عملی نمونہ بن کر رہے۔

☆☆☆

(بقیہ صفحہ ۱۹ کا)

''انہوں نے ہندوستان کے مختلف شہروں میں جانے کتنی بار لوگوں کو غیر فرقہ وارانہ صفات کا سبق دیا۔ سرسید اپنی کوششوں میں کافی حد تک کامیاب بھی ہوئے اور اس زمانے کے بعض غیر مسلم اخبارات نے ان کے اس جذبے کی تعریف بھی کی۔ لاہور میں انڈین ایسوسی ایشن نے ان کو جو سپاسنامہ دیا تھا۔ اس پر دستخط کرنے والوں میں ۱۴/ ہندو اور پانچ مسلمان تھے''۔ (۳)

سرسید قوم پرست انسان تھے۔ لیکن اس وقت انگریزوں کا مفاد اس میں تھا کہ دونوں کو ایک دوسرے سے دور رکھا جائے۔ یہ دونوں جتنا دور رہیں گے حکومت کرنے میں ان کو اتنی ہی آسانی ہوگی۔ ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو لکھتے ہیں:

''سرسید نہ تو فرقہ پرست تھے اور نہ ہندو کے خلاف تھے۔ انہوں نے بار بار اس بات پر زور دیا کہ مذہبی اختلافات کو کوئی سیاسی یا قومی اہمیت نہیں دینا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ کیا تم سب ایک ہی ملک میں نہیں رہتے۔ یاد رکھو لفظ ہندو اور مسلمان محض مذہبی امتیاز کی نشانی ہے''۔ (۴)

سرسید نے قومی و ملی کاز کے لیے جدید تعلیمی ادارے قائم کیے، زراعت کے فروغ کی تبلیغ کی، قیام بنارس کے دوران ہومیوپیتھی شفاخانہ قائم کیا۔ قوم کو انگریزوں کے عتاب سے بچانے کے لیے مختلف تدبیریں کیں، قیام مرادآباد کے زمانے میں قحط پڑا تو راحت رسانی کا کام انجام دیا۔ قوم کو خواب غفلت سے جگانے کے لیے اخبارات جاری کیے، کتابیں لکھیں، لیکچر دیے، وائسرائے کی کونسل میں قوم و ملت کے مفاد کی وکالت کی اور اپنی زیرکی و دانائی سے ملک و قوم کے مفاد میں کئی بل پاس کروائے۔

سرسید نے اتنا پر ہی بس نہیں کیا بلکہ قوم و ملت کی بھلائی کے لیے وہ تمام حربے اختیار کیے جن سے قوم کی ترقی ہو سکے اور ہندوستانیوں کے اندر استحکام آ سکے۔ قومی بہتری کے لیے سرسید کے ذہن میں جو خاکے آ رہے تھے اور جو خیالات راسخ ہوتے جا رہے تھے۔ انہیں وہ ہر ممکن طریقے سے عملی پیکر عطا کرتے جاتے تھے۔ سرسید اخلاص و بے ریائی کے قالب میں ڈھلے ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی کے ہر میدان میں قوم کی بہتری کے لیے قدم بڑھاتے گئے اور منزل ان کو ملتی گئی۔ راستے میں طوفان بھی بہت آئے۔ مخالفتیں بھی شدید رہیں لیکن ان کے پائے استقلال میں لغزش نہ آنے پائی اور اپنے پیچھے عظیم قومی و ملی خدمات کا اثاثہ چھوڑ گئے۔

مراجع و مصادر:

(۱) مجموعہ لیکچر و اسپیچز سرسید، ص ۴۱۳

(۲) شارب ردولوی، اردو تنقید اصول و نظریات، ص ۱۳۴

(۳) ایضاً، ص ۱۳۳

(۴) جواہر لعل نہرو، ڈسکووری آف انڈیا، ص ۲۲۸، ۱۹۴۵

ڈاکٹر محمد شیث ادریس تیمی

سرسید احمد خاں کی قومی وملی خدمات

سرسید احمد خان (ولادت ۱۷/اکتوبر ۱۸۱۷ء۔ وفات ۲۷/مارچ ۱۸۹۸ء) ایک عظیم مصلح، دانشور، مفکر، متکلم، ماہر اسلامیات، ادیب، انشاء پرداز، غم خوار ملک وملت اور گنگا جمنی تہذیب وثقافت کے امین تھے۔ ان کی خدمات کا دائرہ صرف صحافت وادب یا صرف اعلیٰ تعلیم وتربیت اور سماجی اصلاح تک محدود نہیں تھا بلکہ سچ یہ ہے کہ سرسید احمد خان نے زندگی کے لگ بھگ تمام گوشوں میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ اس قوم کی کشتی کو پار لگانے کی کوشش کی جس کا ظاہر وباطن ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا۔ جس کے ہاتھ سے نہ صرف یہ کہ حکومت کی باگ ڈور نکل چکی تھی بلکہ جس کا عالم یہ تھا کہ اس کے سینے میں ایمان کی لو بھی مدھم پڑی ہوئی تھی۔ ایک ایسی قوم جو منجدھار میں پڑی کسی غیبی قوت کی منتظر تھی۔ حرکت وعمل کی بجائے جس نے یاس وقنوط کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا۔ مضبوط ایمان وعمل کی جگہ مختلف قسم کے اوہام وخرافات کو دین سمجھ کر ان کی پرستش شروع کر رکھی تھی۔ اس مظلوم ودرماندہ قوم کو سرسید نے صرف نسخے نہیں دیئے بلکہ اس کے ہر درد کی دوا تلاش کی۔ ہر ہر میدان میں اس کی طرف دست تعاون بڑھایا اور اپنی پوری زندگی اس کے اقبال اور فیروز مندی کے لئے لگا دیا۔ قوم وملت کے تئیں ان کی فکر مندی اور ان کی اصلاح وترقی کے پاکیزہ جذبات کا اندازہ لگانے کے لئے ۱۸۵۷ کی بغاوت کے بعد کی خونچکاں صورت حال میں سرسید کی گراں قدر قومی وملی سرگرمیوں سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ سرسید نے اس طوفان بلاخیز کے تھپیڑوں سے نجات دلانے کے لیے بھرپور کوششیں کیں۔ حالانکہ اس پرآشوب دور میں بڑے بڑے سورماؤں کے پتے پانی ہوگئے تھے اور وہ اپنی عافیت کے لئے ہجرتیں کر رہے تھے۔ ہجرت کا خیال سرسید کے دل میں بھی آتا تھا۔ لیکن قوم وملت کی خیر خواہی اور ان کے لیے کچھ کرنے کے جذبے کے تحت یہ ارادہ ترک کردیا اور کہا کہ:

''نہایت نامردی اور بے مروتی ہے کہ میں اپنی قوم کو اس حالت میں چھوڑ کر کسی گوشہ عافیت میں جابیٹھوں، نہیں ! اس کے ساتھ مصیبت میں رہنا چاہیے۔ اور جو مصیبت پڑی ہے اس کے دور کرنے میں کمر ہمت باندھی جائے۔ میں نے اراداہ ہجرت موقوف اور قومی ہمدردی کو پسند کیا۔'' (۱)

مختلف میدانوں میں سرسید احمد خان کی انتھک کوششوں اور بے ریا مساعی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک خوشگوار فضا تیار ہوئی۔ وہ قوم جو سستی، کاہلی اور بے عملی کی بیماری میں مبتلا ہو کر تباہی کے راستے پر گامزن تھی سرسید کے جگانے سے بیدار ہوگئی اور ترقی کی تمام منزلیں طے کرتے ہوئے آگے بڑھتی چلی گئی۔ انہوں نے مسلمانوں کی زندگی کے ہر گوشے یا شعبے کو توجہ کا مرکز بنایا اور جہاں جہاں خرابی نظر آئی اسے دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ مسلمانوں کے طور طریقوں اور رہن سہن میں انہیں بہت سی خرابیاں نظر آئیں، انہیں دور کرنے کے لئے مضامین لکھے۔ گفتگو کرنے کا انداز کیا ہونا چاہیے، کھانے کے آداب کیا ہیں، اٹھنے بیٹھنے کے پسندیدہ طریقے کیا ہیں؟ ان سب پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے مسلمانوں کو برطانوی حکومت کی دشمنی سے بچنے کے لئے سیاست سے دور رہنے کا مشورہ دیا۔ مسلمانوں کو مذہب کی اصل روح سے روشناس کیا، ساتھ ہی برطانوی حکومت کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ بغاوت کے ذمہ دار مسلمان نہیں بلکہ برطانوی حکومت میں ہی کچھ کمیاں ہیں جن کو دور کرنا چاہیے۔ سرسید نے انگریزوں کو مسلمانوں سے قریب کرنے کی کوشش کی۔ سرسید ایک قوم پرست انسان تھے۔ اور ان کی نظر میں ہندو اور مسلمان ایک قوم تھی۔ سرسید نے جو مدرسہ قائم کیا اس میں ہندو اور مسلمانوں میں کوئی تفریق نہیں کی تھی۔ وہ بلاشبہ گنگا جمنی تہذیب کے پروردہ اور علمبردار تھے۔ جس کا ذکر انہوں نے ایک جگہ میں اس طرح کیا ہے:

''اے ہندو اور مسلمانو ! کیا تم ہندوستان کے سوا اور کسی ملک کے رہنے والے ہو، کیا اس زمین میں تم دفن نہیں ہوگے، کیا اس زمین کے گھاٹ پر تم جلائے نہیں جاؤگے، اسی پر مرتے ہو، اسی پر جیتے ہو، یاد رکھو کہ ہندو اور مسلمان ایک مذہبی لفظ ہے ورنہ ہندو مسلمان اور عیسائی جو بھی اس ملک میں رہتے ہیں اس اعتبار سے سب ایک قوم ہیں''۔ (۲)

سرسید نے آخری وقت تک اس بات کی کوشش کی کہ ہندو اور مسلمان ایک ساتھ مل جل کر رہیں۔ انہوں نے ان دونوں کو ایک خوبصورت دلہن کی دو آنکھوں سے تعبیر کیا۔ سرسید نے ہندوستانیوں کو متحدہ قومیت کا سبق دیا۔ برے وقت میں ایک دوسرے کی مصیبتوں میں مدد کرنا سکھایا۔ ان کو اس بات کا علم تھا کہ ہندو اور مسلمان متحد ہو کر رہیں گے تو ہندوستان کی ترقی میں کوئی رکاوٹ نہیں آسکتی۔ وہ کسی ایک فرقے کی ترقی کو ملک کی ترقی نہیں سمجھتے تھے۔ انہوں نے ملک کے تمام شہروں میں فرقہ وارانہ تشدد کے خلاف لوگوں کو ایک ہونے کا سبق دیا۔ بقول شارب ردولوی:

(بقیہ صفحہ ۱۸ پر)

ایک محسن مگر مظلوم اسلامی مملکت

مولانا عزیز احمد مدنی
استاذ المعہد العالی للتخصص فی الدراسات الاسلامیہ، اہل حدیث کمپلیکس، نئی دہلی

موجودہ وقت میں عرب اور اسلامی دنیا میں سعودی عرب کا ایک نمایاں مرتبہ اور مقام ہے۔ شاہ عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل سعود رحمہ اللہ نے ۱۹۳۲ء میں عرب دنیا میں سب سے بڑا ملک سعودی عرب کی بنیاد رکھی اور ایک مثالی حکومت قائم کی۔ اس ملک کے حکمرانوں نے اپنے اپنے دور اقتدار میں شہری و بلدیاتی ترقی کے ساتھ دینی اصلاح وتعمیر کو بھی پیش نظر رکھا۔ مسلمانوں کے دینی جمود کا علاج کیا جس کے نتیجے میں خطے میں پھیلے شرک و بدعات اور خرافات کا خاتمہ ہوا۔ اس حکومت کے پیش رو حکمرانوں نے عظیم مصلح امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی مساعی اور ان کی تحریک (جو خالص کتاب وسنت کی علمبردار تھی) سے رہنمائی حاصل کی اور ملک کو استحکام، خوشحالی امن وامان اور تحفظ کا گہوارہ بنانے کی سعی کی اور ایک پائیدار اسلامی معاشرہ کی تشکیل کے ساتھ اقوام عالم میں عزت ووقار سے روشناس کرایا اور اپنی شناخت بنائی۔

مملکت کا منہج و مقام: سعودی عرب میں حجاز مقدس ایک ایسا خطہ ہے جو پوری امت مسلمہ کی عقیدت کا محور اور روحانیت کا مرکز ہے۔ اسی مقدس سر زمین میں مسلمانوں کا قبلہ بیت اللہ یعنی خانہ کعبہ مشرفہ، حرمین شریفین یعنی مسجد حرام اور مسجد نبوی ہے۔ جس سے تمام اہل اسلام کو قلبی لگاؤ اور والہانہ محبت ہے بلکہ وہ ہمارے ایمان وعقیدہ کا ایک حصہ اور جزء ہے۔ سعودی حکومت کا ہر حکمراں اپنے دور اقتدار میں حرمین شریفین کی خدمت اپنے لیے باعث شرف وسعادت اور باعث افتخار واعزاز سمجھتا ہے۔ اور نہایت ہی خلوص و دل جمعی اور فراخی قلب سے اس کی خدمت کرتا ہے۔ بلاشبہ ان کی یہ عظیم خدمت قابل تحسین اور اہم یادگار ہے جس کے لیے وہ امت مسلمہ کے شکریہ کے مستحق ہیں۔

عصر حاضر میں مملکت سعودی عرب اسلام اور مسلمانوں کا دینی قلعہ ہے۔ یہ ایک ایسا ملک ہے جس کا آئین ودستور قرآن وسنت اور منہج سلف سے عبارت ہے۔ وسطیت واعتدال جو اہل سنت والجماعت کی ایک عظیم نمایاں خصوصیت ہے۔ اس کا منہج ہے۔ اس کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ تشدد وتطرف اور افراط وتفریط سے پاک معتدل اسلامی نظام قائم ہو۔ قانون الٰہی کی بالادستی اور اس پر عمل داری ہو، ملک میں امن وسلامتی اور سالمیت کا دور دورہ ہو، اخوت ومحبت پروان چڑھے۔ ملک کی رعایا و عوام اطمینان وسکون کی زندگی گذاریں اور زندگی کے ہر میدان میں ترقی کی راہ پر گامزن رہیں اور عروج حاصل کریں۔ بالفعل یہ حکومت اپنے عوام کو اسلامی طرز حیات، جدید علوم وفنون کے ساتھ شرعی علوم کی خدمات اور مختلف شعبوں میں تعمیر وترقی کے ہر ممکن مواقع فراہم کرتی ہے۔ تطرف وتشدد سے پاک اسلامی عقائد کی ترسیخ و تثبیت اور دینی اقدار کے تحفظ کے لیے فعال کردار ادا کرتی ہے۔ اسلامی تہذیب وثقافت پر اغیار کے یلغار کو روکنے کی کوشش اور مزاحمت کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ملک کی عوام اور رعایا اپنے محبوب امراء وحکام سے عہد ووفاداری کرتی ہے، خلوص ومحبت، اپنائیت کے ساتھ ان کی حمایت واحترام اور ان کا دست وبازو مضبوط کرتی ہے۔ نصح و خیر کے جذبہ سے ان کے تئیں اپنے فرائض وواجبات کو فرامین رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں سمجھتی اور نبھانے کی کوشش کرتی ہے۔ شاہان مملکت ''خادم الحرمین الشریفین'' کے لقب سے اپنے کو ملقب کرنا پسند کرتے ہیں۔

امت مسلمہ اور مملکت کی مساعی: مملکت سعودی عرب اور اس کے حکمرانوں کی خدمات اہل وطن کے ساتھ خاص ومحدود نہیں بلکہ ان کی دینی وملی، علمی و دعوتی، فلاحی اور رفاہی اور سیاسی خدمات سے دنیا جہاں واقف ہے۔ اور پورا عالم مستفید ہوتا ہے۔ بالخصوص امت مسلمہ میں یکجہتی پیدا کرنا، اس کی شان عظمت وقوت میں اضافہ کی ہر ممکن تدبیر کرنا، اسلام کی دعوت وتبلیغ کرنا، اسلامی تعلیمات وثقافات کو فروغ دینا اس کے لیے ہر ممکن تعاون کرنا، اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات کا ازالہ کرنا، گمراہ کن عقائد و نظریات کی نفی اور تردید کرنا، عالم انسانیت کی مختلف مجالات میں ہر ممکن امداد کرنا اور خدمت کرنا اس کے اہم مقاصد ہیں۔ اسی طرح فتنہ پروری، تخریبی عناصر، دہشت گردی، انتہا پسندی اور شدت پسندی جیسی فکر ونظر کی حامل تنظیمات اور شخصیات پر نگاہ رکھنا اور ان کو راہ راست پر لانے کی ہمہ جہت کوشش کرنا، نیز پورے عالم میں قیام امن وسلامتی کی کوششوں میں بھرپور حصہ لینا اور شانہ بشانہ مل کر کام کرنا اس مملکت کی اہم کوشش ہے۔

مملکت پر نگاہ بد: تاہم یہ مملکت بھی انتہا پسندی اور دہشت گردی کی پشت پناہی جیسے طعون والزامات اور عالمی وعلاقائی سیاست اور سازش کا شکار ہونے سے نہ بچ سکی اور اب وہ خود بھی اس سے نبرد آزما ہے۔ اغیار کی نگاہ میں یہ مملکت ہمیشہ سے کھٹکتی رہی ہے۔ لیکن ماضی قریب کے کچھ برسوں سے اس کی شان عظمت اور امن وسلامتی کی نعمت پر اپنوں کی بھی نظر بد لگ گئی ہے۔ اس ملک کے خیرات وثروت اور

فیوض و برکات سے برسوں سے بھر پور استفادہ کرنے والے بھی احسان فراموشی کی حدیں پار کرنے لگے ہیں اور سر براہان مملکت کی شان میں پڑوسی ممالک اور سعودی مخالف طاقتوں کی مخترع ومختلق بے بنیاد باتوں، غلط خبروں کے سہارے اور اس کی بنیاد پر الزامات واتہامات، بہتان اور دشنام تراشی پر اتر آئے ہیں اور اپنی زبان طعن دراز کرنے لگے ہیں، یہاں تک کہ وہ اسلامی تعلیمات اور آداب کو بھول گئے اور اسے پس پشت ڈال کر اس دنیا میں اپنی عزت ووقار کو مجروح اور داغ دار کر بیٹھے اور آخرت میں بھی اپنی عاقبت خراب کر رہے ہیں۔ جبکہ ایسے لوگ بزعم خویش تقویٰ وطہارت کے مجسم پیکر اور ماہر علوم شریعت کے مدعی ومناد ہیں اور زبان واسلوب ایسا اختیار وانتخاب کرتے ہیں کہ ایک حیادار سنجیدہ آدمی کا سر خم ہو جائے اور اس کے استعمال سے شرما جائے۔ الامان والحفیظ

مملکت اور اس کی وسعت ظرفی: یوں تو سعودی عرب مملکت توحید ہے۔ اس کے حکمراں کتاب وسنت کے شیدائی اس کے خادم وعلم بردار سلفی العقیدہ اور منہج سلف کے پیروکار ہیں، فروعی احکام ومسائل میں کتاب وسنت سے استناد کرتے ہیں، نیز مسلکی تعصب وعناد سے پاک دلائل وبراہین اور علل کی بنیاد پر فقہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو ترجیح دیتے ہیں، دیگر ائمہ مسالک کی آراء کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں معقول اور کتاب وسنت سے مزین باتوں کو تسلیم کرتے ہیں اور اس میں مقلد بھائیوں کی طرح کسی طرح کا تعصب روا نہیں رکھتے اور ائمہ کرام علیہم الرحمہ کا ادب واحترام کرتے اور ائمہ ہدیٰ میں سے شمار کرتے ہیں۔ یہی نقطہ نظر مملکت کے عوام کی اکثریت کا ہے۔ تاہم مملکت کے حکمرانوں کا قلب بڑا وسیع ہے۔ اور عربوں کی فیاضی وسخاوت بھی ضرب المثل ہے۔ انہوں نے اپنی مملکت میں مختلف فکر ونظر کی حامل اسلامی تنظیموں اور فرقوں کے افراد وشخصیات کو پناہ اور سکونت دے رکھی ہے۔ اور مملکت کی سکون وپرامن فضا میں آزادانہ نقل وتنقل، پھلنے پھولنے اور مملکت کی ثروت سے جائز انداز میں بھر پور استفادہ کرنے کا بلاتفریق وامتیاز ہر ایک کو موقع دیا ہے، چنانچہ راہ اعتدال سے منحرف، خالص کتاب وسنت اور سلفی منہج وفکر کے معاند ومخالف اور اس سے بغض ونفرت اور عداوت وشماتت رکھنے والی جماعتوں، تنظیموں اور فرقوں کے لوگ اس ملک میں آباد ہیں۔ ان کے موسسات، مراکز اور مدارس بھی ہیں ان میں سے کتنے لوگ حکومت کے باوقار اور کلیدی عہدوں اور مناصب پر رسائی بھی حاصل کیے ہیں اور آج بھی فائز ہیں امراء مملکت ان کے ساتھ حسن ظن، حسن تعامل کا سلوک کرتے ہیں اور ان پر مکمل وثوق اور اعتماد رکھتے ہیں۔ یہ ان حکمرانوں کے اعلیٰ اخلاق ہیں۔ لیکن بڑے دکھ کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس مملکت کے ساتھ وہی کچھ ہو رہا ہے جو ماضی میں اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ پیش آیا، یعنی اسلام اور مسلمانوں کو اپنوں نے اغیار سے زیادہ گزند پہونچایا، سچ کہا کسی شاعر نے:

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

مملکت سازشوں کے نرغے میں: مملکت توحید سے بغض وعناد، عداوت ونفرت کی یہ پالیسی اور سازش کوئی نئی بات نہیں، بلکہ اس کا سلسلہ قدیم اور دراز ہے۔ اور شیخ الاسلام امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی دعوت وتحریک سے جڑتا ہے، جبکہ انہوں نے اس خطے میں شرک وبدعات، خرافات اور باطل عقائد وافکار اور خیالات کی بیخ کنی اور علاقہ کی تطہیر کا عزم مصمم کیا اور آل سعود کے اجداد میں سے محمد بن سعود رحمہ اللہ نے ان کی حمایت کی۔ مختلف بادشاہوں کے زمانے میں ملک میں امن وامان رہا اور ظاہری طور پر مملکت کے اندر کسی نے کسی طرح کی شورش برپا کرنے کی ہمت نہیں کی۔ اسلام کے احکام کے عملی نفاذ کا یہ اثر اور فائدہ تھا۔ تاہم اندرون خانہ بغض ونفاق کی چنگاری معاندین مملکت کے ذہن ودماغ اور سینوں میں سلگتی رہی اور وہ موقع کی تلاش میں رہے۔ تا آنکہ جزیرۃ العرب کے اطراف بعض اسلامی ممالک میں عرب بہاریہ کی شورش بپا ہوگئی اور مملکت توحید کا ایک مدبر، کہنہ مشق، تجربہ کار اور ماہر سیاست بادشاہ ملک فہد بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اس دنیا سے رحلت فرما گئے اور نیک طبیعت وخصلت اور قدر دان علم وعلماء ملک عبداللہ بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی تخت نشینی ہوئی۔ ان کی سادگی، حلم اور نرم مزاجی سے فتنہ پروروں کی باچھیں کھل گئیں اور نصرت وعداوت کے سوداگروں کے ذہن ودماغ میں دہکتی اور ان کے سینوں میں پنپتی وسلگتی دبی اور چھپی چنگاری شعلہ بن کر بھڑک اٹھی اور خرمن امن وآشتی کو ویرانی میں تبدیل کرنے کے درپے ہوگئی۔ مملکت پر رب ذوالجلال کی خاص عنایت اور اس کا کرم رہا اور نصرت شامل حال رہی کہ حکمران وقت کی دور اندیشی، حکمت وفراست اور فوری سخت موقف سے اس پر جلد قابو پا لیا گیا۔ اندرون مملکت خلفشار اور تباہی کے محور، عناصر، جماعت وافراد حکومت وعوام کی نگاہ میں نمایاں اور عیاں ہوگئے، پھر کیا تھا، بقاء امن وسکون، اصلاح معاشرہ اور اس کی تطہیر کی مہم ٹھوس اور جنگی پیمانہ پر شروع ہوگئی۔ ملک میں نیا موڑ آیا، اس محور سے منسلک اور متاثر افراد بلبلا اٹھے اور مملکت کے خلاف شور وغوغا اور ہرزہ سرائیاں کرنے لگے تاکہ مملکت کے خلاف عوام الناس کے جذبات کو عالمی طور پر برانگیختہ کیا جا سکے، اور اپنی تقریر وتحریر، ویڈیو اور آڈیو کی شکل میں تزویراتی محاذ سوشل وپرنٹ میڈیا میں چھیڑ دیا۔

جب خادم الحرمین الشریفین ملک سلمان بن عبدالعزیز حفظہ اللہ کی تخت نشینی ہوئی تو موصوف کی فراست وعدالت، سوجھ بوجھ اور فہم وتدبر کے کافی چرچے ہوئے اور تعریف وتوصیف کے گن گائے گئے لیکن جب اپنی ولی عہدی کے لیے اپنے

صاحبزادے محمد بن سلمان کا انتخاب کیا، لوگوں کی پیشانی پر بل آگئے، منہ لٹک گئے، زبان بدل گئی، انداز بدل گیا، اور پھر ولی عہد شہزادہ محمد بن سلمان نے اپنے فیصلے اور ویژن ۲۰۳۰ء کے اپنے منصوبے اور بعض جدت پسندانہ اعمال کی تنفیذ وعمل آوری کی، تو اس نے اس تزویراتی محاذ کی آگ میں گھی ڈالنے کا کام کردیا، اس سے معاندین مملکت کو شور مچانے، چیخنے چلانے اور غلط پروپیگنڈہ کی تشہیر کرکے مملکت کی عظمت شان اور اس کی قدر ومنزلت کو کم تر کرنے کا بہترین موقع مل گیا اور یہ تشہیری مہم جاری ہے۔

اس غلط اور تشہیری پروپیگنڈے میں معاندین تو معاندرہے لیکن بات یہ بھی ہے کہ بہت سے جبہ وقبہ اور طویل دستار والے مخلصین اور بہی خواہان مملکت اور وارفتگی کی حد تک مملکت سے عشق ومحبت کرنے والے عاشقین بھی اس حمام میں عریاں اور ننگے ہوگئے۔ اس تطہیری مہم سے ان کے دلوں کو بھی چوٹ لگ گئی جس کے درد والم کو وہ چھپا نہ سکے اور تلملاہٹ میں مبتلا سر عام اس کا برملا اعلان واظہار کو اپنا اصلاحی حق سمجھ بیٹھے۔

مملکت سے عناد کس کو؟ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس مملکت توحید سے عناد کس کو ہے؟ تو اس سلسلے میں کسی بھی جماعت، تنظیم، فرقہ اور شخصیت کو نامزد کرنا مشکل اور قطعا غیر مناسب ہے۔ ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ دنیا کا کوئی بھی مسلمان جو صحیح معنوں میں کلمہ توحید ورسالت پر اس کے صحیح ودرست تقاضوں کے مطابق ایمان ویقین رکھتا ہو، اور اس مملکت کی دینی وملی خدمات اور خوبیوں سے ادنی بھی واقفیت رکھتا ہو، وہ اس سے نفرت نہیں کرے گا۔ هذا ما اعتقده والله اعلم بالصواب

البتہ کسی ماہر ومتبحر، دقیق ونکتہ سنج عربی عالم نے اپنے مطالعہ کی روشنی میں ایک نچوڑ اقتباس کی شکل میں پیش کیا ہے جو قاری کو اس کے جواب کے قریب اور اس کے فہم کے لیے سہل اور آسان تر بنا دیتا ہے۔ وہ اقتباس حسب ذیل ہے:

''اذا ذكرت التوحيد خرج اليك عباد القبور، واذا ذكرت الصحابة خرج عليك الرافضة، واذا ذكرت طاعة ولاة الامور خرج عليك الخوارج، واذا ذكرت الحجاب الشرعي خرج عليك العلمانيون و محبو الاختلاط والشهوة، اما اذا ذكرت السعودية فسيخرج عليك جميع تلك الاصناف المذكورة دفعة واحدة''۔

''یعنی توحید کے تذکرے سے قبر پرست تمہارے خلاف ہوجائیں گے، صحابہ کے ذکر سے روافض کے تیور بدل جائیں گے، تذکرۂ طاعت ولی امر خوارج کو باغی بنا دیتا ہے۔ حجاب شرعی کی بات ہوگی تو نام نہاد سیکولر ذہن اور دلدادۂ اختلاط وشہوت تمہارے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے اور اگر سعودیہ کا ذکر کرتے ہو تو یہ تمام لوگ بیک وقت تم پر پل پڑیں گے اور تمہارے خلاف ہوجائیں گے۔''

☆☆☆

شرائط حصول تصدیق نامہ

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

(۱) وہ طلباء جو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے بیرونی جامعات میں داخلے کے خواہش مند ہوں اور انہیں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا توصیہ مطلوب ہو وہ درخواست بنام امیر/ ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، تعلیمی اسناد کی مصدقہ فوٹو کاپی دو اساتذہ کا تزکیہ اور صوبائی جمعیت کے امیر/ ناظم کا تزکیہ دفتر میں جمع کریں۔ مذکورہ معلومات وکاغذات کی روشنی میں غور کرنے کے بعد ہی توصیہ جاری کیا جائے گا۔

(۲) وہ ذمہ داران معاہد ومدارس وجامعات جنہیں حصول تعاون کے لیے مرکزی جمعیت کا توصیہ یا اس کی تجدید مطلوب ہو، درج ذیل شرائط کی تکمیل کے بعد توصیہ حاصل کرسکتے ہیں:

(الف) ادارے کے لیٹر ہیڈ پر توصیہ کے لیے ذمہ دار ادارہ کی جانب سے اصل درخواست بنام امیر/ ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند۔

(ب) متعلقہ صوبائی جمعیت کے امیر/ ناظم کا، امیر/ ناظم عمومی مرکزی جمعیت کے نام سفارشی خط یا نئی تصدیق جس میں معیار تعلیم، تعداد طلبہ واساتذہ مذکور ہو۔

(ج) جمعیت کے شعبۂ احصائیات برائے مدارس میں اندراج۔

(د) جمعیت کے آرگن پندرہ روزہ 'جریدہ ترجمان'' (اُردو)، ماہنامہ ''اصلاح سماج'' (ہندی)، نیز ماہنامہ ''دی سمپل ٹروتھ'' (انگریزی) کا ادارہ کے نام اجراء اور قدیم خریدار ہونے کی صورت میں اس کے بقایاجات کی ادائیگی۔

(۳) علاوہ ازیں مرکزی جمعیت کی جانب سے سفارشی خطوط حاصل کرنے کے لیے ذمہ داران صوبائی وضلعی جمعیات ومعروف علماء کرام کی نئی تصدیقات کا پیش کیا جانا لازمی ہے۔ درخواست دہندہ اپنے دستخط کے ساتھ نام اور عہدہ صاف صاف لکھیں۔ کسی بھی قدیم تصدیق کی تجدید یا اس میں حذف واضافہ کے لیے صوبائی جمعیت سے حاصل شدہ نئی اصل تصدیق کا پیش کیا جانا ضروری ہے بصورت دیگر کوئی بھی عذر مقبول نہ ہوگا۔

نوٹ: جو حضرات مرکزی جمعیت کی تصدیق کے خواہاں ہوں وہ کسی بھی قسم کی زحمت سے بچنے کے لئے رمضان سے قبل تصدیق حاصل کرلیں اور بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے رجسٹری ڈاک خرچ نقد نیز جریدہ ترجمان، اصلاح سماج ودی سمپل ٹروتھ کے بقایاجات کی رسید کی فوٹو کاپی ارسال کرنا نہ بھولیں۔

دفتر نظامت عامہ: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

پہلی قسط

ڈاکٹر عبدالعلی ازہری رحمہ اللہ - ایک تعارف

مولانا اسعد اعظمی / جامعہ سلفیہ بنارس

اس عالم رنگ وبو میں آنے والے ہر متنفس کو دیر یا سویر یہاں سے کوچ کرنا ہوتا ہے، اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا اور روزانہ مخلوق کی ایک بڑی تعداد اس دنیائے فانی کو خیر باد کہتی رہتی ہے۔ البتہ ان جانے والوں میں کچھ ایسے ہوتے ہیں جن کی رحلت سے شدید صدمہ پہنچتا ہے اور ان کی جدائی بے حد شاق گزرتی ہے، ڈاکٹر عبدالعلی ازہری ایسی ہی چنندہ شخصیتوں میں سے تھے۔ آپ نے زندگی کی ۸۷/ بہاریں دیکھنے کے بعد مادر وطن سے بہت دور برطانیہ میں کچھ وقت بیمار رہ کر بتاریخ ۱۰/اکتوبر ۲۰۲۱ء بروز اتوار برطانیہ کے وقت کے مطابق ساڑھے بارہ بجے دن میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، اللهم اغفر له وارحمه۔

ڈاکٹر صاحب مختلف النوع صلاحیتوں کے مالک، تہ دار شخصیت کے حامل اور گوناگوں خدمات کے لیے معروف تھے۔ آپ کی زندگی کا ایک ایک گوشہ مستقل تالیف کا متقاضی ہے۔ سردست بعجلت تمام ان کا ایک سوانحی خاکہ پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے تاکہ ان کی شخصیت اور خدمات کا ایک تعارف ہوجائے اور ساتھ ہی نئی نسل کو اس سے کچھ روشنی بھی مل جائے۔ مجلات وجرائد میں منتشر ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی مختلف تحریروں سے اس مضمون میں استفادہ کیا گیا ہے اور حتی الامکان ان کے الفاظ بھی نقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

خاندانی پس منظر: ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا شہر مئوناتھ بھنجن کے جس خانوادہ سے تعلق ہے وہ علم وفضل اور دینی ورفاہی خدمات میں ایک روشن تاریخ رکھتا ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب ملاحظہ ہو:

عبدالعلی بن عبدالحمید بن محمد حامد بن عبدالرحمٰن بن جمال الدین۔ آپ کے جد اعلیٰ حاجی عبدالرحمٰن (م۱۳۲۳ھ) کو اللہ تعالیٰ نے چار بیٹوں سے نوازا تھا اور چاروں کو علم دین کی دولت سے مالا مال کیا تھا، ان میں سے محمد حامد (م۱۹۱۳ء) اور محمد نعمان (م۱۹۵۱ء) علامہ سید نذیر حسین محدث دہلوی (م۱۹۰۲ء) کے شاگرد تھے، تیسرے محمد ابراہیم (م۱۹۱۸ء) اور چوتھے محمد علی قدسی (م۱۹۵۴ء)، یہ بھی پایے کے عالم تھے۔ چاروں کی اولاد واحفاد میں علماء، فضلاء، حفاظ اور علوم دینیہ وعلوم عصریہ کے ماہرین کا ایک سلسلہ قائم ہے۔ مولانا محمد نعمان اعظمی جنہوں نے جامعہ دارالسلام عمرآباد کو تاعمر آباد رکھا، آج ان کی تیسری اور چوتھی نسل ادارے کو فیض پہنچا رہی ہے اور علمی دنیا میں اس کی ایک شناخت ہے۔ مولانا محمد نعمان صاحب سے راقم الحروف کو یوں شرف انتساب حاصل ہے کہ آپ والدۂ محترمہ حفظہا اللہ کے نانا تھے۔ نیز راقم کے جد اعلیٰ شیخ علیم اللہ ڈاکٹر عبدالعلی کے جد اعلیٰ الحاج عبدالرحمٰن کے سگے بھائی تھے۔ مولانا محمد ابراہیم کی نسل میں مشہور عالم مولانا عزیز الحق عمری (م۲۰۲۰ء) تھے جو اپنی علمی وتدریسی صلاحیت کے لیے مشہور تھے۔ مولانا ابوالقاسم محمد علی قدسی کے فرزندوں میں مفتی عبدالعزیز اعظمی عمری (م۲۰۰۵ء) سے ایک عالم واقف ہے، مولانا قدسی کے ایک پوتے مولانا ڈاکٹر عمران اعظمی عمری (حیدرآباد) (م۲۰۱۸ء) بن حافظ عبدالقیوم ایک نابغۂ عصر شخصیت کی حیثیت سے مشہور تھے، ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' اس خانوادے پر بجا طور پر صادق آتا ہے۔ یہ حد درجہ اجمال سے اس خانوادے کا تعارف ہے، اس کی تفصیل سے اس مقولہ کی اس خاندان پر مصداقیت مزید واضح ہوگی جس کا یہ موقع نہیں۔ اس خانوادے کا تعارف کراتے ہوئے والد محترم مولانا محمد اعظمی حفظہ اللہ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

''حکیم جمال الدین رحمہ اللہ مئو کے مغربی حلقے میں ایک باوقار، دین دار اور معزز شخصیت کے حامل تھے۔ ان کی عزت ومقبولیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ مئو کے مغربی حلقے میں ان ہی کے نام نامی کی نسبت سے ایک محلہ جمال پورہ کے نام سے مشہور ہوا۔ غالبا۔ بایں عز وشرف اللہ تعالیٰ نے ان کو مال واولاد کی نعمت سے بھی نوازا تھا۔ چنانچہ اس نبت صدق سے پانچ صالح اولاد نرینہ کا وجود منصۂ شہود پر آیا، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: الحاج عبدالرحمٰن، الحاج عبدالحفیظ، الحاج نور محمد، مولوی علیم اللہ، الحاج محمد عارف۔

اس پانچ نفری اخوان کے نسبی مجد وشرف میں دینی خدمت، عمل بالکتاب والسنہ، علم دین کی سرپرستی، علما نوازی، تعمیر مساجد اور فی سبیل اللہ ایثار وقربانی وغیرہ وہ اولیات ہیں جن کے ثمرات وبرکات سے پوری قوم فیض یاب ہو رہی ہے۔ اس سلسلہ نسب کی علمی کڑیاں مشرق سے مغرب اور عرب وعجم تک پھیلی ہوئی خدمات دینیہ اور کمالات علمیہ سے مربوط ہیں۔ خصوصا الحاج عبدالرحمٰن اور مولوی علیم اللہ - رحمهما الله - کے سلسلۂ اولاد واحفاد میں قدرت نے علم وفضل کی جو فراوانی ودیعت فرمائی ہے وہ نسل در نسل اور عہد بہ عہد روز افزوں ترقی کے ساتھ جاری وساری ہے۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔'' (ماہنامہ محدث، بنارس: جنوری، ۲۰۰۸ء، مضمون بعنوان: عالم باعمل مولانا عبدالعلی بن عبداللہ رحمہما اللہ، بقلم: مولانا محمد اعظمی)

مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی عمری (م ۲۰۱۷ء) بن مولانا محمد نعمان اعظمی لکھتے ہیں:

’’علم ودانش کے ہر شعبہ میں اس خاندان کے افراد کے نام سرفہرست ملیں گے۔ ملک کے گوشے گوشے اور دنیا کے کئی ممالک میں اس کے لائق فرزند اپنے علم وفضل کی وجہ سے ایک امتیازی مقام پیدا کر چکے ہیں۔ انگلینڈ، نائیجریا، ملیشیا اور خلیج کی کئی ریاستوں میں ان کی روشن خدمات کے آثار دیکھے جاسکتے ہیں۔

اس خانوادے نے جہاں بہت سے متبحر علماء وفضلاء، بہترین حفاظ وقراء اور شعلہ نوا مقررین وخطباء کو جنم دیا ہے وہیں شاندار محقق، کامیاب مصنف، لائق مترجم، مستند ادیب، پرگو شاعر اور صاحب طرز انشاء پرداز بھی پیدا کیے ہیں۔ آج اس خانوادے کے بیسیوں افراد مختلف علمی ودینی اداروں میں امتیازی اور کلیدی مناصب پر فائز ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ ان کی ٹھوس خدمات کو ہر جگہ قدر کی نگاہوں سے دیکھا جارہا ہے۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

اس خانوادے کے جگر گوشوں نے ملک کے شمالی علاقوں سے لے کر جنوب کے آخری حصوں تک اپنے علمی فیوض کو عام کیا ہے۔ مئوناتھ بھنجن کے جامعہ عالیہ، جامعہ فیض عام اور جامعہ اثریہ دارالحدیث سے لے کر بنارس کے جامعہ سلفیہ، دلی یونیورسٹی، مالیگاؤں کے جامعہ محمدیہ، عمرآباد کے جامعہ دارالسلام، وانم باڑی کے مدرسہ فیض عام ومدرسۃ البنات، ہاسپیٹ کے مدرسہ حمایۃ الاسلام، حیدرآباد کے دائرۃ المعارف اور رائیدرگ کے جامعہ محمدیہ تک بلکہ ساحل مالابار کے آخری گوشوں تک اس کے فیوض وبرکات کی لہریں پہنچی ہیں اور کشت انسانیت کو سیراب وفیض یاب کیا ہے۔‘‘ (بات ایک مسیحانفس کی [مولانا عبدالسبحان اعظمی عمری]، مرتب: مولانا ثناءاللہ عمری، صفحہ: ۲۳)

مولانا عبدالسبحان اعظمی عمری (م ۱۹۹۰ء) لکھتے ہیں:

’’حاجی شہید مرحوم (راقم السطور کے دادا) خوش قسمت اس حیثیت سے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو چار فرزند دیے اور چاروں ماشاءاللہ اچھے عالم ہوئے۔ سب سے بڑے فرزند مولوی محمد حامد، ان سے چھوٹے مولوی محمد نعمان (راقم السطور کے والد) ان سے چھوٹے مولوی محمد ابراہیم اور سب سے چھوٹے مولوی محمد علی ابوالقاسم تھے۔ یہ چاروں بھائی اپنے علم واخلاق کی وجہ سے لوگوں میں ہردل عزیز تھے۔ ان چاروں کا ذکر استاذ محترم مولانا عبدالرحمٰن آزاد (م ۱۹۳۸ء) نے ایک شعر میں کیا ہے جس سے ان کی ہردل عزیزی کا ثبوت ملتا ہے:

علی، حامد، نعمان، ابراهيم اخوان
فاللهم اكرمهم جميعا اينما كانوا

(پیکر علم وعمل مولانا محمد نعمان اعظمی، مرتب: محمد رفیع کلوری عمری، صفحہ: ۷)

ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری رحمہ اللہ سے متعلق اپنے مضمون میں ڈاکٹر عبدالعلی اپنے خاندان کے بارے میں خود لکھتے ہیں:

’’حافظ صاحب نے اپنی بعض تحریروں میں اپنی والدہ اور نانا کا تذکرہ کیا ہے، ہمارے نانا مولانا محمد نعمان حاجی عبدالرحمٰن شہید کے صاحب زادے تھے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھوں نے حرم شریف کے اندر اللہ تعالی سے اپنی اولاد کے لیے علم ومعرفت کے حصول کی دعا کی تھی، اللہ تعالی نے ان کی دعا کو قبولیت کا شرف بخشا اور ان کے چاروں بیٹے: محمد حامد (میرے دادا) محمد نعمان (میرے اور حافظ صاحب کے نانا) محمد ابراہیم اور ابوالقاسم محمد علی (مولانا عبدالعزیز عمری کے والد) سب نے علوم دینیہ میں فراغت حاصل کی اور میاں نذیر حسین سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ (سہ ماہی افکار عالیہ، مئو: ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری نمبر، (اپریل ۲۰۱۲ تا جون ۲۰۱۳ء) مضمون بعنوان: ’’میرے دیرینہ ساتھی مخلص رہنما‘‘ بقلم ڈاکٹر عبدالعلی ازہری، ص: ۳۳)

ڈاکٹر صاحب اپنے ایک سفرنامے میں لکھتے ہیں:

’’... قطر میں میرا قیام صرف چھ دن کا تھا، جمعہ کو عقیقہ کی مجلس تھی، وہاں میری تقریر کوئی تقریر نہیں تھی، میں نے عمری حضرات کو یاد دلایا کہ جس جامعہ سے وہ فراغت کا شرف حاصل کرنے کے بعد اس مقام پر پہنچے ہیں اس کی آبیاری میرے نانا مرحوم مولانا محمد نعمان رحمہ اللہ نے کی تھی اور آج بھی ان کی اولاد اس جامعہ سے وابستہ ہے اور خدمت کر رہی ہے۔ میں نے ان کو یہ بھی بتایا کہ میرے دادا مولانا محمد حامد اور نانا مولانا محمد نعمان سگے بھائی تھے اور دونوں میاں نذیر حسین محدث سے سند یافتہ تھے۔ (سہ ماہی افکار عالیہ مئو: جولائی تا ستمبر ۲۰۱۴ء، مضمون بعنوان: قطر میں چند دن، بقلم: ڈاکٹر عبدالعلی ازہری۔ صفحہ: ۶۹)

ڈاکٹر صاحب اسی خاندان کے چشم وچراغ تھے اور اسی سلسلۃ الذھب کی بہت ہی چمک دار کڑی تھے۔ آپ کے والد عبدالحمید صاحب مولانا محمد حامد تلمیذ السید نذیر حسین دہلوی کے فرزند ارجمند تھے تو والدہ صفیہ (م ۱۴/۱۰/۱۴۱۲ھ = ۱۸/۴/۱۹۹۲ء) مولانا محمد نعمان تلمیذ السید نذیر حسین کی لخت جگر تھیں، اسی سے ڈاکٹر صاحب کی نسبی نجابت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

موصوف کے تین بھائیوں میں سب سے بڑے محمد شوکت ہیں جو کئی سال سے بستر مرض پر ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں شفائے کامل وعاجل عطا فرمائے۔ صاحب اولاد واحفاد ہیں، ان کے صاحبزادے ڈاکٹر جاوید منظر جامعہ سلفیہ بنارس سے فارغ ہیں اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بی یو ایم ایس اور ایم ڈی ہیں، علاقے میں آپ کا شفاخانہ مشہور ہے۔ ڈاکٹر عبدالعلی صاحب شوکت صاحب سے چھوٹے ہیں، ان سے چھوٹے حافظ عبدالحئی صاحب تھے جو جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے فارغ تھے اور جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو میں ایک عرصہ تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ گذشتہ رمضان (۱۴۴۲ھ = ۲۰۲۱ء) میں کورونا کی دوسری لہر میں مختصر علالت کے بعد داعی اجل کو

لبیک کہہ گئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

تاریخ پیدائش: ڈاکٹر صاحب نے اپنے بایوڈاٹا میں اپنی تاریخ پیدائش (۸ جون ۱۹۴۳ء) درج کی ہے۔ آپ کی تاریخ پیدائش کے تعلق سے درج ذیل واقعہ ملاحظہ ہو۔ یہ قصہ جامعہ فیض عام میں تعلیم کے دوران کا ہے اور اسے آپ نے اپنے استاد مولانا عبدالمعید بنارسی رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرے کے ضمن میں لکھا ہے:

''.....عالم کے امتحان کے لیے بورڈ کا فارم بھرنے کا وقت آیا تو مولانا (عبد المعید صاحب) چونکہ نظم وضبط اور قانون قاعدے کے بہت سخت پابند تھے، ان کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ طلبہ کے فارم پر کرائیں۔ میرا نمبر آیا تو پوچھا کہ نام کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: عبدالعلی، انہوں نے فرمایا: صرف عبدالعلی؟ محمد عبدالعلی نہیں؟ میں نے کہا: صرف عبدالعلی، فرمانے لگے کیوں؟ اب اس کیوں کا میرے پاس کیا جواب ہوسکتا تھا، پوچھا: سن پیدائش؟ میں نے عرض کیا: نہیں معلوم، اپنے خاص لہجے میں جس میں طنز کے ساتھ ساتھ ظرافت بھی ہوتی تھی اور چونکہ آواز ناک کی طرف سے نکلتی تھی اس لیے لہجہ کچھ اور ہی انداز پیش کرتا تھا، بولے: آپ کو اپنی تاریخ پیدائش ہی نہیں معلوم؟ آپ کی والدہ نے آپ کو نہیں بتایا؟ کچھ تو بتایا ہوگا کہ آپ گرمی میں پیدا ہوئے یا سردی میں، اس وقت مئو میں سیلاب آیا تھا یا قحط پڑا تھا، بازار میں تیزی تھی یا کاروبار مندہ پڑا تھا؟ کسی الیکشن کا زمانہ تھا؟ الیکشن پر مجھے یاد آیا کہ والدہ مرحومہ بتاتی تھیں کہ کسی الیکشن میں ووٹ ڈالنے کے لیے وہ مجھے گود میں لے کر گئی تھیں، میں نے انہیں بتایا تو انہوں نے اپنے طریقے سے حساب لگا کر فرمایا کہ آپ کی سن پیدائش ۱۹۴۵ء ہوسکتی ہے اور پھر وہی تاریخ درج کردی گئی۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ میرے کچھ ساتھی جن کی داڑھی کے بال سفید ہو رہے تھے انہوں نے اپنی تاریخ پیدائش ۱۹۴۸ء ۱۹۴۹ء لکھوائی تھی، تو میں ہمت کرکے مولانا کے پاس گیا اور عرض کیا کہ بہت سے لوگوں نے اپنی تاریخ پیدائش بعد کی لکھوائی ہے اور اپنی عمر کم بتائی ہے تو میری عمر بھی کم کردی جائے، مولانا بولے: آپ کو کم عمر لکھوا کر کیا لینا ہے، یہ کام تو وہ لوگ کرتے ہیں جو وقت پر ریٹائر نہیں ہونا چاہتے اور زیادہ مدت تک ملازمت میں رہ کر تنخواہ وصول کرتے ہیں۔ مولانا نے یہی سوچا ہوگا کہ میں اس طرح کی سرکاری ملازمت کہاں سے حاصل کروں گا، میں بھی انہی کی طرح کسی مدرسے کا مدرس بنوں گا جہاں ریٹائر ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ انہیں یا مجھے کہاں معلوم ہوتا کہ زندگی کہاں سے کہاں لے جائے گی اور ایسے ملک میں کام کرنا پڑے گا جہاں ریٹائر ہونے کی عمر پینسٹھ سال ہے۔'' (ماہنامہ محدث بنارس، اکتوبر ۱۹۹۷ء صفحہ: ۱۲ مضمون بعنوان: ''میرے اساتذہ''، بقلم: ڈاکٹر عبدالعلی ازہری)

ابتدائی تعلیم: جیسا کہ عام دینی گھرانوں میں یہ اہتمام ہوتا ہے کہ بچوں کو ابتداء گھر پر ہی قرآن کی تعلیم دے دی جاتی ہے۔ بچوں کے والدین، دادا، دادی اور بھائی بہن ہر ایک اس تعلیم میں حصہ لیتے ہیں۔ سب سے پہلے بچے کو قاعدہ بغدادی کے ذریعہ حروف شناسی کرائی جاتی ہے، پھر "یسرنا القرآن" پڑھا کر ناظرۂ قرآن کے لیے بچے کو تیار کردیا جاتا ہے۔ عموماً بچے چار سے پانچ سال کی عمر میں ناظرۂ قرآن مکمل کرلیتے تھے، بلکہ بعض تو اس سے بھی کم عمر میں ختم کرلیتے تھے۔ اس کے بعد ہی انھیں مدرسہ یا اسکول میں داخل کیا جاتا تھا۔ بلکہ مدرسوں میں درجہ اول میں داخلے کے لیے بنیادی شرط یہی ہوا کرتی تھی کہ بچہ کم از کم ایک مرتبہ ناظرہ قرآن ختم کرچکا ہو۔ ہمارے ممدوح ڈاکٹر ازہری بھی ان مراحل سے گذر کر تعلیم میں آگے بڑھے ہوں گے۔ آپ کی والدہ تو خیر سے مدرسہ عالیہ نسواں کی معلّمہ تھیں، انھوں نے یقیناً اپنے اس لخت جگر کو گھر پر پورے اہتمام کے ساتھ تعلیم دی ہوگی۔ ڈاکٹر صاحب کی پرائمری تعلیم کے بارے میں بھی کوئی قابل ذکر بات نہیں ملتی۔ اغلب یہی ہے کہ مدرسہ عالیہ ہی میں آپ نے یہ تعلیم حاصل کی ہوگی۔ واضح رہے کہ مدرسہ عالیہ کی قدیم عمارت محلّہ جمال پورہ مئو میں آپ کے آبائی مکان سے پورب کی جانب چند قدم کے فاصلے پر تھی۔ محلّہ ڈومن پورہ میں مدرسہ منتقل ہونے کے بعد کافی دنوں تک یہ عمارت عربی درجات کے بیرونی طلبہ کے لیے دارالاقامہ کے طور پر استعمال ہوتی رہی۔ اب صورت حال یہ ہے کہ مدرسہ، عالیہ نگر، بائی پاس روڈ پر شفٹ ہوچکا ہے، ڈومن پورہ والی عمارت عالیہ نسواں اور عالیہ گرلس اسکول سے آباد ہے۔ اور جمال پورہ والی قدیم ترین عمارت تعمیر جدید کے بعد نرسری اسکول کے لیے مختص ہے۔ مدرسہ عالیہ عربیہ مئو کا قدیم ترین ادارہ ہے جو تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے ۱۸۶۸ء میں قائم ہوا ہے۔

والدہ کی دلی خواہش: شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ رحمانی مبارک پوری رحمہ اللہ پر ڈاکٹر صاحب نے اپنے مضمون میں لکھا ہے:

''...والدہ مرحومہ ہم لوگوں سے کہا کرتی تھیں کہ اللہ تعالی نے ان کو بارہ بچے عطا کیے تھے لیکن کچھ تو بچپن ہی میں اپنی ماں کی گود خالی کرگئے، کچھ عنفوان شباب میں پہنچ کر والدین کو روتا ہوا چھوڑ کر اپنی دائمی منزل کی طرف چل دیے، کچھ نے زندگی کا سفر کافی دور تک طے کیا لیکن پھر ایک دن وہ بھی اس جہان فانی سے رحمت الٰہی کی طرف منتقل ہوگئے۔ آخر میں صرف ہم تین بھائی رہ گئے تھے....ان باقی ماندہ تین بچوں کو وہ دینی تعلیم دلوانا چاہتی تھیں۔ اور خاص طور پر میرے بارے میں پروگرام یہ تھا کہ میں مولوی بنوں اور قرآن حفظ کرکے مرحوم بھائی کی جگہ پر کروں۔ وہ مجھے دینی تعلیم میں اعلی مقام حاصل کرنے کی ترغیب دلایا کرتی تھیں۔ اس سلسلے میں وہ مولانا عبیداللہ صاحب کا بار بار ذکر کرتی تھیں جنھوں نے اپنا بچپن ایک عام بچہ کی طرح نانا مولانا محمد نعمان رحمہ اللہ کے گھر میں گزارا تھا لیکن بعد میں علم ومعرفت اور تقوی وپرہیزگاری کا نمونہ بن گئے۔ وہ اپنی آرزو کا اظہار اس قدر جذباتی انداز میں کرتی

تھیں کہ میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی تھی کہ کس طرح کوئی نسخہ کیمیا ہاتھ لگ جائے اور میں ان کے خوابوں کی تعبیر صحیح کر دکھاؤں، وہ مجھے اچھے سے اچھے دینی مدرسے میں بھیجنا چاہتی تھیں لیکن تنگ دستی مانع تھی...'' (ماہنامہ محدث بنارس، شیخ الحدیث نمبر، جنوری-فروری ۱۹۹۷ء، ص:۱۳۸-۱۳۹)

ڈاکٹر صاحب نے اپنی بعض تصنیفات وتحقیقات پر جوانتساب لکھا ہے وہ والدین ہی کے نام ہے اوراس میں آپ نے اپنے علمی کام کووالدین کی دعاؤں کا ثمرہ اوران کے خوابوں کی تعبیر قرار دیا ہے۔ چنانچہ اپنی پہلی علمی کاوش "عـروة ابـن اذينة: حياته وشعره" کے حرف انتساب میں لکھتے ہیں:

''الى والـدَيَّ الـلـذيـن كـان مـن أعز أمانيهما أن يرياني من المساهمين في خدمة العلم والأدب، وقاسيا كل عناء لكي يبلغا بي الى حيث أرادا أن أكون، اليهما أهدي باكورة عملي، متضرعا الى الله تعالى أن يوفقني لكل ما يسبب لهما السعادة فى الدارين. رب ارحمهما كما ربياني صغيرا. آمين"

كتاب الامثال للاصبهاني کی بھی آپ نے تحقیق کی تھی، اس کا انتساب بھی ملاحظہ ہو:

" الى روح أبي الـذي ربـاني صغيرا وعانى كثيرا في سبيل توفير ضرورات الحياة لأولاده.

ولـمـا كـلـلـت جهوده بالنجاح ووصلت حيث كان يتمنى أن يراني وأصبح في وسعي أن أوفر له وسائل الراحة بعد ذلك العناء الطويل فارقني... توفي وأنا في الغربة على بعد آلاف من الاميال .. وكـان بـودي أن أكـون عـند فراشه وقت رحيله، ولكن الله قدر غيـر ذلك، فـلـم يبـق لـي الآن الا الابتهـال الى الله تعالى لاستنزال رحمته عليه.

الـلـهم اغـفـر له وارحمه وعافه واعف عنه وأكرم نزله ووسع مدخله وأسكنه جنة الفردوس. آمين"

مـادر عـلـمـی کا ذکر خیر: دسمبر ۲۰۱۰ء میں مئو میں قیام کے دوران آپ نے ایک دن جامعہ عالیہ عربیہ کے طلبہ، اساتذہ اوراراکین مدرسہ کے سامنے ایک خطاب کیا جس میں ابتدا میں فرمایا:

''اسی مدرسہ میں میری تعلیم ہوئی ہے، لیکن مدرسہ ایسا شاندار نہیں تھا، اس قدر عمارتیں نہیں تھیں نہ اتنا بڑا رقبہ تھا، نہ اتنا عظیم منصوبہ تھا، نہ اس قدر افراد تھے۔ میں جن دنوں اس مدرسہ میں تعلیم حاصل کر رہا تھا اس وقت یہ مدرسہ جمال پورہ میں تھا، چار کمرے تھے اور چار مدرسین تھے۔ دو مدرسین عربی کے لیے تھے، لیکن اس وقت جو مدرسین تھے وہ مخلص تھے اور میں نے ان سے جو ٹھوس علم حاصل کیا وہ کام آیا ہے۔ آپ کے اساتذہ بھی مخلص ہیں...'' (سہ ماہی افکار عالیہ، مئو: جنوری تا مارچ، ۲۰۱۰ء، ص:۷۶)

ڈاکٹر صاحب نے عربی زبان اور اسلامیات کی تعلیم کی شروعات بھی مدرسہ عالیہ ہی سے کی اور ابتدائی تین جماعتیں اسی ادارہ میں پڑھیں۔ اس وقت یہاں صرف چار جماعت تک ہی پڑھائی کا نظم تھا۔ اس کے بعد طلبہ کو مدرسہ فیض عام منتقل کر دیا جاتا تھا جہاں وہ اپنی تعلیم مکمل کر کے سند فراغت حاصل کرتے تھے۔ کچھ طلبہ مدرسہ دارالحدیث کا بھی رخ کرتے رہے ہوں گے۔ اور جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے ذکر کیا اس وقت مدرسہ عالیہ میں عربی درجات میں صرف دو اساتذہ تدریس پر مامور تھے، ان دو میں ایک یقیناً والد گرامی مولانا محمد اعظمی حفظہ اللہ تھے، کیوں کہ والد صاحب سے آپ کا تلمذ ثابت شدہ امر ہے، ڈاکٹر صاحب خود اکثر مواقع پر اس کی صراحت فرماتے رہتے تھے اور والد صاحب بھی اس نسبت کو یاد کرتے اور ڈاکٹر صاحب کو اپنے ان تلامذہ میں شمار کرتے ہیں جن پر بجا طور انھیں فخر ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی وفات کی خبر ملنے پر جب میں نے والد مکرم کو فون کیا تو آپ بہت زیادہ مغموم تھے اور بار بار کہتے تھے کہ میں نے اپنی زندگی میں اتنا ذہین اور اتنا مخلص شاگرد نہیں پایا۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم اپنے اس استاذ سے کتنی محبت اور عقیدت رکھتے تھے اس کو لفظوں میں بیان کرنا شاید ممکن نہیں۔ ٹیلی فون اور موبائل کے عہد سے پہلے بذریعہ خط وکتابت رابطے میں رہتے۔ ۱۹۸۸ء میں برطانیہ منتقل ہونے کے کچھ سالوں کے بعد جب مئو میں مقامی پیمانے پر ٹیلی فون کی سہولتیں بڑھیں تو ہزاروں میل دور بسے شاگرد کو اپنے مرشد ومربی سے جڑے رہنے، ان سے رہنمائی طلب کرنے اور دعائیں لینے میں آسانی ہوگئی۔ مہینے میں ایک سے دو بار کم از کم آپ اپنے استاذ کو ضرور یاد کرتے اور دیر تک محو گفتگو رہتے۔ عموما رابطے کا وقت بعد نماز عصر ہوا کرتا تھا۔ ہر موسم میں وقت کا خوب صحیح اندازہ لگا کر ہی فون ملاتے تھے، کبھی بے وقت آپ نے فون نہیں لگایا، اس سلسلے میں آپ کا حذر واحتیاط بے مثال تھا۔ افسوس کہ بہت سے لوگ اس سلسلے میں غفلت کا مظاہرہ کرتے اور زحمت کا باعث بنتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب جب بھی پردیس سے وطن واپس ہوتے اور جمال پورہ میں واقع اپنے دولت کدہ میں فروکش ہوتے تو استراحت واطمئنان کے بعد گھر سے نکلتے تو آپ کی پہلی منزل ہمارا گھر اور پہلا ہدف والد صاحب سے ملاقات ہوتی، پھر قیام کے پورے وقفے میں ہر دو چار دن کے ناغے سے زیارت اور پرسش احوال کا سلسلہ جاری رہتا۔ مارچ ۲۰۲۰ء میں کورونا کی وباعام ہوئی تو اس وقت آپ وطن عزیز ہی میں مقیم تھے اور لاک ڈاؤن کے نفاذ سے چند روز قبل ہی آپ نے وطن کو خیر باد کہا تھا۔ اس سفر میں یہ بات نوٹ کی گئی کہ اب آپ پر نقاہت غالب رہنے لگی ہے، بینائی بھی متاثر تھی اور جوڑوں کی تکلیف کی وجہ سے چلنے پھرنے میں کافی دشواری محسوس کرتے

تھے۔ان تکالیف کے باوجود اپنے مرشد ومربی سے آپ دعائیں لینے آیا کرتے اور دیر تک افادہ واستفادہ کا سلسلہ جاری رہتا۔رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

جب آپ کی کوئی نئی تالیف یا تحقیق اشاعت پذیر ہوتی تو اولین فرصت میں استاد کو ہدیہ فرماتے، عموما کتاب ہدیہ کرتے وقت اس پر اھداء کے لیے کوئی جملہ یا عبارت لکھتے جو استاد کے ساتھ آپ کی عقیدت اور قلبی محبت کے جذبات میں ڈوبی ہوتی۔مثال کے طور پر ''انعام الباری فی شرح حدیث ابی ذر الغفاری'' جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی تالیف ہے اس کتاب کی آپ نے تحقیق کی ہے اور الدار السلفیہ ممبئی سے شائع ہوئی ہے، آپ نے والد صاحب کو یہ کتاب ہدیہ فرمائی تو اس پر ان الفاظ میں اپنے استاذ سے عقیدت کا اظہار کیا:

" الی استاذی المبجل الشیخ محمد الاعظمی – تولاہ اللہ بحفظہ – الذی علمنی صغیرا، واسدی الی النصح کبیرا. ولا تزال توجیھاتہ تنیر لی الطریق، فجزاہ اللہ احسن الجزاء، وکتب لہ الصحۃ والسعادۃ والتوفیق والنجاح.

من تلمیذہ: عبد العلی مئو ۲۰/۱۰/۱۹۸۷ء

مدرسہ عالیہ میں عربی درجات کے آپ کے دوسرے استاذ راقم کے دادا مولانا عبد العلی رحمہ اللہ تھے جو اس وقت صدر المدرسین کے عہدے پر فائز تھے۔والد محترم نے آپ کی سوانح حیات میں لکھا ہے کہ ۱۹۵۱ء سے تا اخیر عمر (۱۳۸۶ھ = ۱۹۶۷ء) آپ مدرسہ عالیہ میں صدر مدرس کے منصب پر فائز رہے۔والد صاحب نے دادا کے تلامذہ کی فہرست میں ڈاکٹر عبد العلی ازہری کا نام نامی بھی ذکر فرمایا ہے۔(ملاحظہ ہو: ماہنامہ محدث بنارس، جنوری ۲۰۰۸ء، ص:۱۴-۲۴)

جامعہ فیض عام مئو میں: جیسا کہ اوپر بیان ہوا مدرسہ عالیہ میں اس وقت عربی کی صرف تین یا چار جماعتوں تک کی تعلیم کا نظم تھا۔ڈاکٹر عبد العلی علیہ الرحمۃ نے مدرسہ عالیہ میں تین جماعتیں پڑھ لینے کے بعد فیض عام میں داخلہ لیا، لیکن یہاں آپ کی تعلیم اوائل ذی الحجہ تک ہی جاری رہی، کیوں کہ آپ کی والدہ آپ کو جامعہ رحمانیہ بنارس میں تعلیم کے لیے بھیجنے کی متمنی تھیں، اس وقت ڈاکٹر صاحب کے سگے ماموں مولانا فضل الرحمن عمری بن مولانا محمد نعمان اعظمی اور مولانا مفتی عبد العزیز اعظمی عمری بن مولانا ابو القاسم محمد علی قدسی جامعہ رحمانیہ میں مسند تدریس پر رونق افروز تھے۔اپنے ان دونوں بھائیوں کے ذریعہ والدہ نے آپ کے رحمانیہ میں داخلہ کی کوشش کی، لیکن سیٹیں محدود ہونے اور وقت نکل جانے کی بنا پر کامیابی نہیں مل سکی۔ لیکن والدہ کی آہوں اور دعاؤں نے کام کیا اور عید الاضحیٰ کی تعطیل میں جب یہ دونوں بزرگ وطن تشریف لائے تو خوش خبری سنائی کہ ایک طالب علم کے جامعہ چھوڑ دینے کی وجہ سے ایک سیٹ خالی ہوگئی ہے اور آپ کا داخلہ منظور ہوگیا ہے۔اس طرح مدرسہ عالیہ سے نکلنے کے بعد اور جامعہ رحمانیہ روانہ ہونے سے پہلے آپ نے شوال وذوالقعدہ میں فیض عام کے اساتذہ سے کسب فیض کیا اور عید الاضحیٰ کے بعد اپنے دونوں ماموؤں کے ساتھ جامعہ رحمانیہ بنارس کے لیے عازم سفر ہوئے۔

جامعہ رحمانیہ بنارس میں: مولانا عبد الوحید صاحب سلفی اول ناظم اعلیٰ جامعہ سلفیہ بنارس پر تحریر کردہ اپنے ایک مضمون میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''اس وقت میری عمر بارہ تیرہ برس کی ہوگی، مئوناتھ بھنجن کے سب سے پرانے سلفی معہد مدرسہ عالیہ میں عربی کی تیسری جماعت مکمل کر لینے کے بعد میری والدہ کا اصرار ہوا کہ مجھے کسی دوسرے مدرسہ میں بھیجا جائے تاکہ میں اپنی دینی تعلیم مکمل کروں، کیونکہ اس وقت مدرسہ عالیہ میں چار جماعت سے اوپر کی تعلیم کا انتظام نہیں تھا، اس زمانے میں عربی مدارس کے طلبہ کے درمیان بنارس کے جامعہ رحمانیہ کا بڑا شہرہ تھا اور ہر شخص دل میں یہ ارمان لیے رہتا تھا کہ اسے اس میں داخلہ مل جائے۔اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ عام طور پر مدارس کے طلبہ کے ساتھ انتظامیہ کا برتاؤ کچھ اس طرح کا ہوتا تھا کہ گویا طلبہ ان کے اوپر بوجھ ہیں اور انہیں قیام وطعام کی سہولت فراہم کر کے ان کے اوپر احسان کیا جارہا ہے.....جامعہ رحمانیہ میں نہ صرف یہ کہ سونے کے لیے چارپائی ملتی تھی اور صبح کو ناشتہ میں چنا ملتا تھا، بلکہ دونوں وقت کے کھانے میں بھی دال کے ساتھ سبزی یا گوشت ہوتا تھا اور عام طور پر روٹی اور چاول دونوں کا انتظام ہوتا تھا۔

جامعہ رحمانیہ میں محدود تعداد میں طلبہ لیے جاتے تھے، مدرسین میں مئوناتھ بھنجن کے دو فاضل اساتذہ تھے، مولانا عبد العزیز عمری اور مولانا فضل الرحمن عمری، اطال اللہ حیاتہما۔دونوں میرے قریبی رشتہ دار تھے بلکہ مولانا فضل الرحمن مدظلہ میرے سگے ماموں ہیں، والدہ نے اپنی خواہش کا اظہار ان کے سامنے کیا اور انہوں نے مجبوری کا اظہار کیا اور مجھے مدرسہ فیض عام میں مزید تعلیم کے لیے بھیج دیا گیا۔بقرعید کی تعطیل میں جب مولانا فضل الرحمن صاحب بنارس سے مئو تشریف لائے تو انہوں نے والدہ محترمہ کو یہ خوشخبری سنائی کہ جامعہ میں ایک سیٹ کسی طالب علم کے چلے جانے کی وجہ سے خالی ہوگئی ہے اور انہوں نے میرے داخلے کے لیے مہتمم جامعہ سے بات کر لی ہے، اور پھر مجھے ان کے ساتھ بنارس بھیج دیا گیا۔اس وقت مہتمم حضرت مولانا عبد المتین صاحب رحمہ اللہ تھے۔طیب شاہ کی مسجد میں عصر کی نماز کے بعد مولانا فضل الرحمن صاحب نے مجھے ان کی خدمت میں مسجد ہی میں پیش کیا، انہوں نے وہیں کھڑے کھڑے میری قابلیت کا امتحان لینے کا فیصلہ کیا، ہم لوگوں نے تیسری جماعت میں حدیث کی مشہور کتاب ''بلوغ المرام'' پڑھی تھی، لیکن اسے زبانی یاد نہیں کیا تھا، لیکن اس وقت اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم میرے اوپر کچھ ایسا تھا کہ عبارتیں بڑی جلدی ذہن نشین ہوجاتی تھیں، حافظہ بہت قوی تھا، مہتمم صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ بلوغ المرام کی آخری حدیث کون سی ہے؟ میں نے اپنے مخصوص مئوی لہجے میں جواب دیا:

''عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: کلمتان خفیفتان علی اللسان، ثقیلتان فی المیزان، حبیبتان الی الرحمن: سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم۔''

یہ حدیث اپنے منفرد اسلوب کی وجہ سے تقریباً سبھی طلبہ کو یاد تھی، پھر انہوں نے پوچھا کہ کتاب کی پہلی حدیث کون سی ہے؟ میں نے ذہن پر تھوڑا سا زور ڈالنے کے بعد اسے بھی بتادیا اور داخلہ کے امتحان میں کامیاب ہوگیا۔

.......میں دوسال سے زیادہ جامعہ رحمانیہ میں نہیں ٹھہر سکا، اقتصادی مجبوریوں کے تحت مجھے اپنی پڑھائی چھوڑ دینی پڑی، پھر بنارس سے کوئی رابطہ نہیں رہا۔ دوسال کے وقفہ کے بعد میں نے اپنی بقیہ تعلیم مئوناتھ بھنجن کے مدرسہ فیض عام میں مکمل کی۔''

(ماہنامہ محدث بنارس جنوری فروری ۱۹۹۱ء مضمون بعنوان: کچھ یادیں کچھ تاثرات، از قلم: ڈاکٹر عبدالعلی ازہری، صفحہ ۳۷-۳۹)

جامعہ رحمانیہ کے اساتذہ:- رحمانیہ میں ڈاکٹر صاحب نے جن اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ان کی کچھ تفصیل درج ذیل ہے:

۱-مولانا عبدالوحید رحمانی (م ۱۹۹۷ء):

آپ سے ڈاکٹر صاحب نے المجتنی لابن درید اور مختارات من أدب العرب لأبي الحسن علي الندوي پڑھی۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''......مدن پورہ میں جامعہ رحمانیہ کی بلڈنگ میں دوسری منزل پر کتب خانہ تھا جس کی نگرانی ان کے (یعنی مولانا عبدالوحید رحمانی کے) ذمہ تھی اور وہیں بیٹھ کر وہ درس دیتے تھے۔ ہم لوگوں نے ان کے پاس ابن درید کی "المجتنی" اور مولانا ابو الحسن علی ندوی مدظلہ کی مرتب کردہ "مختارات" پڑھی۔ ادب سے ان کو خاص شغف تھا، بلکہ ادبی ذوق بدرجہ اتم ان کے اندر موجود تھا.....وہ ادبی شہ پاروں میں محو ہوجاتے تھے اس لیے وہ لفظی ترجمہ سے گریز کرتے تھے اور ان کا یہ انداز جامد ذہن رکھنے والے طلبہ کو اچھا نہیں لگتا تھا۔ وہ بار بار پوچھتے کہ اس لفظ کے معنی کیا ہیں؟ ادب کو سمجھنے کا پہلا سبق میں نے ان سے سیکھا۔ دوسری بہت اہم چیز جو میں نے ان سے سیکھی وہ تھی مراجع کا استعمال۔ مدرسوں میں طلبہ کو یہ مواقع حاصل نہیں ہوتے کہ وہ معلومات میں اضافہ کے لیے درسی کتابوں کے علاوہ کسی اور کتاب کا مطالعہ کرسکیں۔ مولانا عبدالوحید کے طرز تدریس سے یہ شوق پیدا ہوا کہ کسی لفظ کی تحقیق کے لیے قوامیس کی طرف رجوع کیا جائے۔ "جمهرة اللغة" لابن درید جیسی کتابیں ہاتھ میں لینے کا اتفاق ہوا، اسی طرح دوسری اہم کتابیں نظر سے گذریں، یعنی ان پر نظر پڑی اور ان کی شکل دیکھی۔'' (ماہنامہ محدث بنارس، فروری ۱۹۹۸ء، ص: ۷۶)

۲-مولانا فضل الرحمٰن عمری (م ۱۹۹۸ء):

جیسا کہ اوپر گذرا یہ آپ کے سگے ماموں تھے اور رحمانیہ میں مدرس تھے، آپ سے ڈاکٹر صاحب نے شرح وقایہ اور تلخیص نامی کتابیں پڑھیں۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''.....میں نے ان سے اس مدرسہ میں دوسال تک تعلیم حاصل کی۔ ہم لوگوں کو وہ "شرح وقایہ" اور "تلخیص" پڑھاتے تھے۔ دوسری جماعتوں کو جو کتابیں پڑھاتے تھے ان میں زمخشری کی المفصل، دیوان المتنبی، دیوان الحماسہ اور ھدایہ شامل تھیں۔ مولانا ایک بہت ہی باصلاحیت مدرس تھے۔ کتاب کوئی بھی ہو، عبارت کو سمجھنا اور پھر اس کو آسان لفظوں میں طلبہ کے ذہن میں بٹھا دینا ان کے لیے بہت ہی آسان تھا، جو کتاب یا فن پڑھاتے ایسا محسوس ہوتا کہ وہ اس کے متخصص ہیں۔ ادب سے ان کا خاص لگاؤ تھا۔ متنبّی کے اشعار کی تشریح ایسے دل آویز انداز میں کرتے تھے کہ سننے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا، فقہ حنفی کی کتابیں ایسے پڑھاتے تھے جیسے کہ خود حنفی ہوں.....'' (ماہنامہ محدث بنارس، جولائی ۱۹۹۸ء، ص: ۳۶)

۳-مولانا محمد ابراہیم رحمانی (ولادت ۱۹۳۲ء):

ضلع سدھارتھ نگر کے معمر عالم دین، جامعہ رحمانیہ بنارس کے فیض یافتہ اور وہاں کے سابق مدرس مولانا محمد ابراہیم رحمانی حفظہ اللہ جو فی الحال مدرسہ دار الہدیٰ یوسف پور سے وابستہ بھی ہیں، انھوں نے میرے ایک شاگرد عزیزم عبد المعید بن عبد الحی (علی گڑھوا) کے ذریعہ مجھے سلام بھجوایا اور اس سے کہا کہ اگر کوئی ڈاکٹر عبدالعلی ازہری کی سوانح حیات لکھے تو اسے بتادینا کہ میں ان کا استاد ہوں۔ موصوف نے بقلم خود ایک رقعہ بھی لکھا جسے آپ ہی کے الفاظ میں قارئین کے سامنے پیش کردیتا ہوں:

''میں ۱۹۶۰ء سے پہلے جامعہ رحمانیہ بنارس میں پڑھاتا تھا، اسی زمانہ میں ڈاکٹر عبدالعلی الازہری الاعظمی جامعہ رحمانیہ میں مجھ سے پڑھتے تھے۔ یہ بات مجھ سے عبد العلی مرحوم نے مئو میں ایک جلسہ میں بتائی اور مجھ سے کہا کہ آپ (ابراہیم رحمانی) میرے استاد ہیں۔''

دستخط: محمد ابراہیم رحمانی۔

یہ تحریر شاگرد رشید نے مجھے ۲۸/اکتوبر ۲۰۲۱ء کو بذریعہ واٹس اپ بھیجا۔

تراجم علمائے اہل حدیث مرتبہ مولانا خالد حنیف صدیقی میں آپ نے اپنی خود نوشت میں اپنے تلامذہ کے تذکرے میں بھی ڈاکٹر عبدالعلی ازہری کا نام ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب مذکور کا صفحہ (۳۸۸) یہ کتاب پہلی بار مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سے سال ۲۰۰۸ء میں شائع ہوئی ہے۔

۴-مولانا عبدالعزیز اعظمی عمری (م ۲۰۰۵ء):

ڈاکٹر صاحب نے اپنی متعدد تحریروں میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ جب وہ رحمانیہ میں زیر تعلیم تھے تو اس وقت مولانا مفتی عبدالعزیز اعظمی عمری مئوی بھی ادارہ کے ممتاز مدرسین میں سے تھے۔ البتہ ان سے آپ نے رحمانیہ کے دوسالہ تعلیمی دور میں کون کون سی کتابیں پڑھیں اس کا مجھے تلاش بسیار کے باوجود پتہ نہ چل سکا۔ مفتی

صاحب کے اکثر سوانح نگاروں نے آپ کے تلامذہ میں ڈاکٹر صاحب کو شمار کیا ہے۔ اس کے لیے مجلّہ آثار جدید مئو کے ''مفتی عبدالعزیز اعظمی عمری نمبر'' (اپریل ۲۰۰۶ء) کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے:

''....وہ (والدہ) مجھے اچھے سے اچھے دینی مدرسہ میں بھیجنا چاہتی تھیں لیکن تنگ دستی مانع تھی، آخر کار وہ مجھے جامعہ رحمانیہ بنارس میں بھیجنے میں کامیاب ہوگئیں جہاں ان کے سب سے چھوٹے بھائی مولانا فضل الرحمٰن عمری اور چچازاد بھائی مولانا عبدالعزیز عمری منصب تدریس پر فائز تھے....'' (ماہنامہ محدث بنارس، شیخ الحدیث نمبر، جنوری-فروری ۱۹۹۷ء، ص: ۱۳۹، مزید دیکھیے: مجلّہ مذکورہ کا مولانا عبدالوحید سلفی پر خصوصی شمارہ، جنوری-فروری ۱۹۹۱ء، ص: ۳۷)

فائدہ:- مولانا عزیز الحق صاحب عمری مئوی (متوفی یکم دسمبر ۲۰۲۰ء) نے ۱۹۵۶ء سے ۱۹۶۰ء تک جامعہ رحمانیہ بنارس میں تعلیم حاصل کی ہے۔ آپ نے ماہنامہ آثار جدید مئو کے مفتی عبدالعزیز نمبر میں اپنے اداریہ میں اس زمانے کے رحمانیہ کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھا ہے:

''اس وقت جامعہ رحمانیہ کے اساتذہ میں مولانا نذیر احمد صاحب املوی، مفتی عبدالعزیز صاحب عمری، مولانا فضل الرحمٰن صاحب عمری اور مولانا عبدالوحید صاحب بنارسی شیخ الجامعہ جامعہ سلفیہ بنارس شامل تھے۔ ان میں سے اول الذکر تینوں ہی اس دور کے باکمال اساتذہ میں شمار ہوتے تھے....''

آگے ایک جگہ لکھتے ہیں:

'مفتی صاحب بڑے ظریف اور طلبہ کے ہمدرد تھے۔ جب ہم جامعہ رحمانیہ میں پڑھتے تھے اس وقت مئو کے طلبہ میں ڈاکٹر عبدالعلی، ڈاکٹر اعزاز الدین، ڈاکٹر فیاض الدین اور حکیم مولوی انوار احمد شامل تھے اور کبھی کبھی مولانا فضل الرحمٰن صاحب عمری کے کمرے میں کچھ لطیفے اور ظرافت کی باتیں بھی ہوتی تھیں جن میں مفتی صاحب بھی شریک رہتے تھے اور اتفاق سے یہ دونوں اساتذہ ہی اونچا سنتے تھے، اس لیے جب کوئی لطیفہ سنایا جاتا اور یہ دونوں نہیں سن پاتے تو مولانا فضل الرحمٰن صاحب تو خاموش رہتے تھے، لیکن مفتی صاحب ہنسنے میں سب کا ساتھ دیتے تھے اور پھر اکیلے میں بعد میں ہم میں سے کسی سے پوچھتے کہ کیا بات تھی کہ سب ہنس رہے تھے اور جب انہیں بات سنائی جاتی تو ایک بار پھر ہنستے تھے اور ہمیں بھی ہنسنے کا موقع دیتے تھے....''

(ماہنامہ آثار جدید مئو، مفتی عبدالعزیز اعظمی عمری نمبر، اپریل ۲۰۰۶ء، ص: ۱۰، ۱۴)

نوٹ: جامعہ رحمانیہ بنارس کے مدرس اعلیٰ مولانا نذیر احمد صاحب املوی (م ۱۹۶۵ء) سے ڈاکٹر ازہری کے تلمذ کی مجھے کہیں صراحت نہیں ملی۔

(جاری)

مرکزی جمعیت کی پریس ریلیز

آندھرا پردیش اور دیگر صوبوں میں سیلاب سے جانی و مالی نقصانات پر اظہار رنج وغم اور تعاون کی اپیل

دہلی: ۲۵/نومبر ۲۰۲۱ء

مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند کے امیر مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے ملک کے متعدد صوبوں خصوصا صوبہ آندھرا پردیش کے نیلور، چتور، کڈپا، کرنول وغیرہ اضلاع اور تمل ناڈو اور کیرالا کے متعدد مقامات پر غیر معمولی بارش کی وجہ سے سیلاب کی ابتر صورت حال اور اس کے نتیجے میں ہونے والے بھاری جانی و مالی نقصانات پر شدید رنج وغم کا اظہار کیا ہے، مرنے والوں کے ورثاء سے اظہار ہمدردی کیا ہے اور اس مصیبت کی گھڑی میں سبھی سے انسانیت کے ناطے تعاون کی اپیل ہے۔

انہوں نے کہا کہ مصیبت زدہ علاقوں خصوصا آندھرا پردیش میں مسلسل بارش کی وجہ سے شدید جانی و مالی نقصانات ہوئے ہیں، درجنوں جانیں تلف ہوئی ہیں، سینکڑوں گھر منہدم ہوگئے ہیں، دکانیں تباہ ہوگئی ہیں، کھیتیاں برباد ہوگئی ہیں، لوگ دانہ دانہ کو ترس گئے ہیں اور گھروں سے باہر عارضی کیمپوں میں رہنے کے لیے مجبور ہیں، لہٰذا ہمدردان قوم وملت سے بلاتفریق مذہب اپیل کی جاتی ہے کہ وہ مصیبت کی اس گھڑی میں انسانیت کے رشتے کو نبھاتے ہوئے اپنے بھائیوں کی بھرپور امداد کریں۔ اسی طرح صوبائی ومرکزی حکومتوں سے بھی اپیل کی جاتی ہے کہ متاثرین کی راحت رسانی، بازآباد کاری نیز نقصانات کے معاوضہ کے سلسلہ میں مناسب اقدامات کریں، اس میں کسی قسم کی تساہلی نہ برتی جائے اور انتظامیہ کو پوری طرح چوکس کردیا جائے۔

امیر محترم نے اپنے بیان میں کہا کہ مصیبت کی اس گھڑی میں متاثرین کے لیے دعا کا اہتمام کریں، خصوصا تمام صوبائی شاخوں کے ذمہ داران اپنے اپنے صوبوں سے متاثرین کا بھرپور تعاون کریں۔ ماضی میں بھی اس طرح کے حالات میں آپ حضرات تعاون کرتے رہے ہیں۔ بلاشبہ اتنے بڑے پیمانے پر جان ومال کی تباہی وبربادی، قدرتی نظام کا حصہ ہے اور اس طرح کی آفات ارضی وسماوی، زمین پر بسنے والے ہم انسانوں کے گناہوں کے عام ہوجانے کی وجہ سے بھی آتی ہیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ سنبھلنے کے لیے کبھی کبھی اپنی نشانیاں ظاہر کرتا ہے اور اپنے بعض بندوں کو آزماتا ہے۔ لہٰذا اس سے بندوں کو عبرت حاصل کرنی چاہئے، صبر واحتساب سے کام لینا چاہئے، پریشانیوں میں مبتلا لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا کرنی چاہئے اور ان کے تعاون میں جہاں تک ممکن ہو حصہ لینا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ متاثرین کی خصوصی مدد فرمائے اور ہم سب کو ہر طرح کی بلاؤں و بیماریوں سے محفوظ رکھے اور خیر کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین

رئیس مدنپورہ بنارس جناب الحاج محمد اظہر بن عبد العظیم کا سانحہ ارتحال: یہ خبر نہایت ہی رنج وافسوس کے ساتھ سنی گئی کہ رئیس مدنپورہ بنارس، مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے محسن، جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کے خازن، معروف عالم دین ڈاکٹر جاوید اعظم رحمہ اللہ سابق صدر جامعہ سلفیہ بنارس کے بھائی، راقم کے بے حد قدرداں، مشہور اہل خیر اور بنارس کے معروف علمی وسماجی خانوادے کے چشم و چراغ الحاج محمد اظہر بن عبدالعظیم صاحب کا بعمر 77/ سال انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون. الحاج محمد اظہر صاحب بڑے متدین، خلیق وملنسار، مہمان نواز اور علماء کے قدردان تھے اور جامعہ کی تعمیر وترقی کے کاموں میں لگے رہتے تھے۔ مجھ سے بڑی محبت وشفقت فرمائے تھے اور دہلی کے سفر میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے دفتر میں تشریف لاتے اور جمعیت کی ہمہ جہت سرگرمیوں کو دیکھ کر خوش ہوتے، متنوع خدمات کو سراہتے، ہمت افزائی فرماتے اور دعائیں دیتے تھے۔ خصوصا مرکزی دفتر اہل حدیث منزل کی تعمیر نو کو ایک عظیم اور تاریخی کارنامہ قرار دیتے اور بڑی حوصلہ افزائی کرتے تھے اور اس مشکل ترین کام کو انجام دیے جانے پر بارہا کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی بہت ساری خدمات پر دونوں جہان میں بہتر بدلہ اور اجر عظیم سے نوازے گا ان شاء اللہ لیکن اہل حدیث منزل کی نہایت بوسیدہ اور انتہائی خستہ حالت میں پہنچی ہوئی عمارت کو گنجان آبادی والے علاقے کے اندر ایک عظیم الشان عمارت میں تبدیل کر دینا اللہ تعالیٰ کی خصوصی توفیق پھر آپ جیسے باہمت ومخلص محبّ جماعت وجمعیت کا ہی کام ہوسکتا ہے۔ مرحوم مہمان نوازی میں تو معروف تھے ہی، البتہ مجھ ناچیز کی ہر سفر میں ایک بار ہی سہی پرتکلف ضیافت کو ضروری قرار دیتے تھے اور بڑی خوبصورتی سے اس ضیافت اور ہم طعامی کو مجھ سے ہم کلامی اور جماعتی وشخصی احوال جاننے کا ذریعہ بتاتے تھے۔ اپنی نیک دل اور صالحہ وزاہدہ ہمشیرہ کے ہمراہ حج بیت اللہ اور زیارت حرمین شریفین ان کا محبوب مشغلہ ان کی محبت الٰہی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے الفت وشیفتگی پر شاہد عدل تھا۔ جامعہ سلفیہ میں تدریس کے دوران بارہا آپ کے ساتھ عمرہ وزیارت کے سفر کی سعادت حاصل ہوئی اور میں آپ کے تقویٰ وللّٰہیت اور جذبہ خدمت وحسن رفاقت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ الغرض:

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

بلاشبہ ان کا انتقال جمعیت وجامعہ کا ایک عظیم خسارہ ہے اور ان کے سانحہ ارتحال کی وجہ سے میں ذاتی طور پر بھی ایک مخلص دوست اور بھائی سے محروم ہونے کے صدمے سے دوچار ہوں۔ پسماندگان میں متعدد بھائی، بہنیں، بھتیجے بھتیجیاں اور بھانجے بھانجیاں اور بھرا پورا خاندان ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے، بشری لغزشوں سے درگذر فرمائے، خدمات کو شرف قبولیت بخشے، جنت الفردوس کا مکین بنائے، جملہ پسماندگان ومتعلقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور جمعیت وجامعہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین (غمزدہ ودعاگو: اصغر علی امام مہدی سلفی، امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند)

انڈومان نیکوبار کی معروف تعلیمی وسماجی شخصیت جناب اے پی محمد کا انتقال: ۳۱/ اکتوبر ۲۰۲۱ء کی صبح ایک سیاہ صبح کی شکل میں نمودار ہوئی۔ جب امت وجماعت کے لال اور انڈومان نیکوبار کی معروف تعلیمی وسماجی شخصیت جناب اے پی محمد سفر آخرت پر روانہ ہوگئے۔ ان کی شخصیت کے گوناگوں پہلوؤں کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے گرچہ باضابطہ تحصیل علم نہیں کیا تھا تاہم انہوں نے ہزاروں تشنگان علوم کو علم کی نئی بلندیوں تک پہنچایا۔ ایک ماہر تعلیم کی طرح انہوں نے سی بی ایس ای سے ملحق اسکولوں کی تاسیس میں اہم رول ادا کیا۔ وہ اس جزیرے میں سلفی تحریک کے روح رواں تھے۔ انہوں نے توہمات کے دبیز سیاہ پردے کو اپنے فیضان سے منور کیا۔ وہ تحریر وتقریر اور اپنے کردار سے عوام الناس کو طریق سلف کی طرف راغب کرتے رہے۔ معروف عالم دین جناب اے پی عبدالقادر مولویؒ، سابق ناظم ندوۃ المجاہدین کیرالہ کی رہنمائی اور تعاون سے انہوں نے سلفی تحریک کو ایک نشان امتیاز عطا کیا۔ سہولیات سے محروم لوگوں کی فلاح وبہبود کے لئے وہ تاعمر کوشاں رہے۔ ایک سچے خادم کی حیثیت سے وہ پوری زندگی عوام کی فلاح وبہبود کے لئے جدوجہد کرتے رہے۔ انہوں نے ہمیشہ سچ کا ساتھ اور اس راہ میں انہوں نے کسی کی پرواہ نہیں کی۔ ان کی وفات حسرت آیات سے ہم لوگوں نے ایک سلفی، ایک مخلص لیڈر اور سب سے بڑھ کر ایک عظیم انسان کو کھو دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، ان کی خدمات کو قبول کرے، جنت الفردوس کا مکین بنائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین (شریک غم: ٹی حمزہ، امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث انڈمان ونیکوبار)

(نوٹ) جناب اے پی محمد بھائی ہماری دید وشنید کے اول دن سے ہی مرکزی جمعیت کے ساتھ انتہائی ہمدردی کا برتاؤ کرتے تھے۔ جب انڈومان نیکوبار صوبائی جمعیت قائم نہیں تھی اس وقت بھی کسی نہ کسی سطح پر تعلقات اور تبادلہ خیالات وحالات رکھتے تھے۔ ہم نے وہاں کے حالات وظروف ومقتضیات کو مدنظر رکھتے ہوئے تین دعاۃ مرحلہ وار بھیجتے رہے۔ شروع میں اے پی محمد بھائی ہی نے سب سے زیادہ سب کی رہنمائی کی۔ اور کفالت کا ذمہ دیگر احباب جماعت خصوصاً بھائی ٹی حمزہ حفظہ اللہ کے تعاون سے نبھاتے تھے اور حق تو یہ ہے کہ تینوں دعاۃ نے دعوتی واصلاحی اور انتظامی معاملات ومیدانوں میں بھرپور کردار ادا کیا۔ جس میں اے پی محمد بھائی مرحوم اور ٹی حمزہ صاحب کا بڑا رول تھا اور ان کی بھرپور رہنمائی تھی۔ ہم نے جب بھی انڈومان کا سفر کیا تو اے پی محمد بھائی اور ان کی پوری ٹیم نے ہمارا بھرپور استقبال کیا۔ متعدد پروگرام منعقد کئے اور مساجد اور تعلیم گاہوں کے قیام وانتظام میں بھرپور کردار ادا کرنے کے مواقع فراہم کئے تا آنکہ وہاں صوبائی جمعیت کا قیام عمل میں آ گیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کو قبول فرمائے۔ خطاؤں کو معاف فرمائے۔ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ جماعت وجمعیت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ **اللهم لاتحرمنا اجره ولاتفتنا بعده** (مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی، امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند)

(بقیہ صفحہ ۸ پر)

اہل حدیث منزل کی تعمیر وتکمیل کے لیے

محترم و غیور ائمہ، خطباء، متولیان مساجد اور ذمہ داران جمعیات سے پُر زور اپیل اور التماس

اہل حدیث منزل میں چوتھی منزل کی چھت کی ڈھلائی کا کام ہوا چاہتا ہے اور دیگر تینوں منزلوں کی صفائی کی تکمیل کے لیے آپ سے گزارش ہے کہ آنے والے جمعہ میں باضابطہ طور پر اپنی مسجدوں میں اس کے تعاون کے لیے پرزور اعلان فرمائیں اور مندرجہ ذیل کھاتے میں رقم ارسال فرما کر جنت میں اعلیٰ مقام بنائیں اور اس صدقہ جاریہ میں شریک ہوں۔

تعاون کے طریقے: (۱) سیمنٹ، سریا، روڑی، بدرپور، ریت (۲) نقد رقم (۳) کاریگروں اور مزدوروں کی اجرت کی ادائیگی (۴) کھڑکی، دروازہ، پینٹ، رنگ وروغن کا سامان یا قیمت مہیا کرا کے تعاون فرمائیں اور مال واولاد اور اعمال صالحہ میں برکت پائیں۔

Markazi Jamiat Ahle Hadees Hind

A/c: 629201058685

ICICI Bank (Chandni Chowk Branch)

RTGS/NEFT IFSC Code-ICIC0006292

آندھرا پردیش اور دیگر صوبوں میں سیلاب سے جانی ومالی نقصانات پر اظہار رنج وغم

تعاون اور دعا کی اپیل

ملک کے متعدد صوبوں مہاراشٹر، مدھیہ پردیش، بہار، یوپی، اتراکھنڈ، کیرالاخصوصاً صوبہ آندھرا پردیش کے نیلور، چتور، کڈپا، کرنول وغیرہ اضلاع کے اندر غیر معمولی بارش کی وجہ سے سیلاب کی ابتر صورت حال اور اس کے نتیجے میں ہونے والے بھاری جانی ومالی نقصانات شدید رنج وغم کا باعث ہیں اور مصیبت کی اس گھڑی میں سبھی سے انسانیت کے ناطے تعاون کی اپیل ہے۔

مصیبت زدہ علاقوں خصوصا آندھرا پردیش میں مسلسل بارش کی وجہ سے شدید جانی ومالی نقصانات ہوئے ہیں، درجنوں جانیں تلف ہوئی ہیں، سینکڑوں گھر منہدم ہوگئے ہیں، دکانیں تباہ ہوگئی ہیں، کھیتیاں برباد ہوگئی ہیں، لوگ دانہ دانہ کو ترس گئے ہیں اور گھروں سے باہر عارضی کیمپوں میں رہنے کے لیے مجبور ہیں ،لہٰذا ہمدردان قوم وملت سے بلاتفریق مذہب اپیل کی جاتی ہے کہ وہ مصیبت کی اس گھڑی میں انسانیت کے رشتے کو نبھاتے ہوئے اپنے بھائیوں کی بھرپور امداد کریں۔اسی طرح صوبائی ومرکزی حکومتوں سے اپیل کی جاتی ہے کہ متاثرین کی راحت رسانی، بازآبادکاری نیز نقصانات کے معاوضہ کے سلسلہ میں مناسب اقدامات کریں، اس میں کسی قسم کی تساہلی نہ برتی جائے اور انتظامیہ کو پوری طرح چوکس کردیا جائے۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے مصیبت کی اس گھڑی میں متاثرین کے لیے دعا اور تمام بھائیوں خصوصا اپنی تمام صوبائی شاخوں کے ذمہ داروں سے ان کی امداد کے لیے اپنے صوبوں سے بھرپور تعاون کی اپیل کی ہے۔ماضی میں بھی اس طرح کے حالات میں آپ حضرات تعاون کرتے رہے ہیں۔فجزاکم اللہ خیرالجزاء۔بلاشبہ اتنے بڑے پیمانے پر جان ومال کی تباہی وبربادی، قدرتی نظام کا حصہ ہے اور اس طرح کی آفات ارضی وسماوی، زمین پر بسنے والے ہم انسانوں کے گناہوں کے عام ہوجانے کی وجہ سے بھی آتی ہیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ سنبھلنے کے لیے کبھی کبھی اپنی نشانیاں ظاہر کرتا ہے اور اپنے بعض بندوں کو آزماتا ہے۔لہٰذا اس سے بندوں کو عبرت حاصل کرنی چاہئے، صبر واحتساب سے کام لینا چاہئے، پریشانیوں میں مبتلا لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا کرنی چاہئے اور ان کے تعاون میں جہاں تک ممکن ہو حصہ لینا چاہئے۔اللہ تعالیٰ متاثرین کی خصوصی مدد فرمائے اور ہم سب کو ہر طرح کی بلاؤں وبیماریوں سے محفوظ رکھے اور خیر کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی توفیق ارزانی فرمائے۔آمین

اپیل کنندگان

اصغر علی امام مہدی سلفی، امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

ودیگر ذمہ داران واراکین

چیک/ڈرافٹ ان ناموں سے بنائیں:

Ahle Hadees Relief Fund
A/c No. 200110100007015
Bombay Mercantile Cooperative Bank LTD
IFSC Code: BMCB0000044
Branch: Darya Ganj, New Delhi

Markazi Jamiat Ahle Hadees Hind
A/c: 629201058685
ICICI Bank (Chandni Chowk Branch)
RTGS/NEFT IFSC Code-ICIC0006292